ناول

حنا ملک
digest Novels Lovers group

گھڑی بھر میں نا آشنا ہوگیا
نہ جانے مرے دل کیا ہوگیا
دھڑکنے لگا دل نظر جھک گئی
کبھی اُن سے جب سامنا ہوگیا

"مما!" اس نے دھیرے سے پکارا۔
"ہوں۔" مسز درانی نے فائل پر جھکے جھکے ہنکارا بھرا۔
"مما وہ نتاشا کہہ رہی تھی کہ....." وہ ایک لمحے کو رکی۔ مما سے بات کرنا اس دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔
"جو کہنا ہے جلدی کہو۔ مجھے بہت کام ہے۔"
"مما! نتاشا کہہ رہی تھی کہ ہمیں ایگزامز کی تیاری کے لیے مل کر پڑھنا چاہیے۔"
"تو؟" مما نے ایک لمحے کو نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
"وہ کہہ رہی تھی کہ ہمارے گھر پر....."
"تو ہرگز نہیں تمہاری وہ بدتمیز فرینڈز سارا وقت گھر سر پر اٹھائے رکھتی ہیں اور مجھ سے یہ شور ہنگامہ برداشت نہیں ہوتا۔ تمہیں اگر کمبائن اسٹڈی کرنی ہے تو ان میں سے کسی کے گھر پر پروگرام رکھ لو ورنہ گھر میں رہ کر پڑھو۔" مما نے دوبارہ فائل اٹھالی۔
"مما! پلیز وہ....."
"ماہا! مجھے تنگ مت کرو۔ میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔"
وہ دل مسوس کر باہر چلی آئی۔
"مما کتنی عجیب ہیں۔ میں گھر پر وقت گزارنا چاہتی ہوں اور مما..... جانے مما اس طرح کیوں کرتی ہیں۔ میری فرینڈز کی مدرز کتنی اچھی ہیں۔ ایگزامز کے دنوں میں کتنا خیال کرتی ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے چائے، دودھ وغیرہ بنا کر دے جاتی ہیں۔ مما کو میری فرینڈز کا گھر پر آنا پسند نہیں ہے۔ خیر وہ لوگ شور بھی تو اتنا کرتی ہیں۔ مما سارا دن آفس میں سر کھپا کر آتی ہیں۔ اس لیے چاہتی ہیں کہ گھر پر سکون ہوں۔ ہمیشہ کی طرح وہ منفی اور مثبت خیالوں کی زد میں تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے مما کا یہی رویہ اور انداز دیکھا تھا۔ اس کی زندگی کے ان سترہ سالوں میں مما نے شاید سترہ بار بھی اس سے اپنائیت سے بات نہ کی ہوگی۔ اگر گھر میں بوا جی نہ ہوتیں تو شاید وہ کب

CamScanner

کی پاگل ہو چکی ہوتی۔

"ماہی پتر!" بواجی کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ "پتر! اتنی ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔ اندر چل کر بیٹھ۔"

"بواجی! مما ایسی کیوں ہیں؟" اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

"کیسی؟" بواجی نے اس کے بالوں کو سہلایا۔

"اتنی کٹھور، ہر وقت غصے میں رہنے والی، اتنی سختی ہوتی ہے ان کے لہجے میں کہ....."

"نہ پتر! دل چھوٹا نہیں کرتے۔ تیری ماں نے دکھ بھی تو اتنے اٹھائے ہیں۔ وہ دل کی بری نہیں ہے۔ جانتی ہے نا کہ شادی کے صرف ایک سال بعد ہی وہ بیوہ ہو گئی تھی۔ دوسری شادی کی تو شوہر عیاش نکلا۔ بڑے سخت حالات دیکھے ہیں تیری ماں نے۔" بواجی دھیرے دھیرے اس کے بال سہلاتی رہیں اور وہ مما کا دکھ دل میں محسوس کرنے لگی۔ مما کی زندگی کے یہ تلخ پہلو دو سال پہلے بواجی نے ہی اسے دکھائے تھے۔ ہر بار وہ بواجی کے منہ سے یہ باتیں سن کر نئے سرے سے دکھی ہو جاتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

❁❁❁

وہ کوریڈور میں سے گزرا تو رمنا کے کمرے سے دبی دبی ہنسی کی آوازوں نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ انکا جان کو لڑکیوں کا یوں اونچی آواز میں بولنا، ہنسنا بالکل ناپسند تھا۔ رمنا ان کی سب سے بڑی بیٹی تھی مگر بے حد چنچل اور شوخ طبیعت کی مالک تھی۔ اس کے برعکس اس کی چھوٹی دو بہنوں کی طبیعت میں تحمل اور بردباری کا عنصر نمایاں تھا۔ رمنا کی فرینڈز بھی اس کی طرح چنچل تھیں۔ وہ انکا جان کی طبیعت سے واقف تھی اس لیے جب بھی اس کی فرینڈز آتیں۔ رمنا کے کمرے کا دروازہ بند ہو جاتا۔ کھڑکیوں پر پردے گرا دیے جاتے۔ اچانک پٹ سے دروازہ کھلا تو وہ چونک گیا۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" رمنا دروازے پر نمودار ہوئی تھی۔

"وہ..... وہ میں....." وہ لمحے بھر کو گڑبڑا گیا۔

"کون ہے رمنا؟"

"کس سے بات کر رہی ہو؟" اندر سے بیک وقت پوچھا گیا۔

"نچ می ناٹ۔" رمنا کھلکھلائی پھر یک دم منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ایک لمحے کو علی کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔ وہ آگے بڑھ گیا جبکہ اپنے پیچھے نسوانی قہقہوں کی بازگشت سنائی دی۔ وہ شروع سے ہی ایسا تھا۔ کم گو، دبوسا، ذرا ذرا سی بات پر چہرہ سرخ ہو جاتا۔ لوگوں کی کمپنی سے گھبرانے والا۔ اسی لیے رمنا اور اس کی فرینڈز نے اس کا نام "نچ می ناٹ" رکھ چھوڑا تھا۔

"علی!" برآمدے میں تخت پر بیٹھی نفیسہ بیگم نے اسے پکارا۔ طیبہ چچی بھی وہاں موجود تھیں۔

"جی اماں۔"

"بیٹا! یہ لسٹ لے لو اور بازار سے جا کر یہ سارا سامان لے آؤ۔ اوساجی! جا علی بھائی کے ساتھ بازار سے سودا لے آ۔" علی کے ساتھ ساتھ صحن میں کھڑے ساجد عرف ساجی کو بھی مخاطب کیا۔ جو گیلے کپڑے سے اپنی سائیکل چمکانے میں مصروف تھا۔ علی نے نفیسہ بیگم کے ہاتھ سے لسٹ لے لی اور ساجی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ سودا سلف کی خریداری میں دو گھنٹے نکل گئے۔ پورے مہینے کا راشن تھا۔ وہ عصر کے وقت کا گیا مغرب کے بعد ہی گھر پہنچا تھا۔ کچن میں سکینہ بوا کو سب سامان تھمایا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مغرب کے بعد اسے ایک دو جگہ ٹیوشن پڑھانے کے لیے جانا ہوتا تھا۔ میٹرک کے بعد اس نے انکا جان کی اجازت سے ٹیوشن پڑھانی شروع کی تھی۔ انکا جان اس کے اس فیصلے سے کافی ناخوش تھے مگر پھر اس کے اصرار پر مان گئے کیونکہ وہ کبھی اس طرح کسی بات پر اصرار نہیں کیا کرتا تھا۔ علی محض پانچ برس کا تھا جب والدین کے سائے سے محروم ہو گیا۔ حشمت جاہ اس کے والد کے دور پرے کے رشتہ دار تھے۔ یتیم بچے کو عزیز و اقارب نے اپنانے میں آنا کانی کی تو حشمت جاہ

رہ نہ سکے اور علی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ حشمت جاہ اور رفاقت جاہ دو ہی بھائی تھے۔ دونوں بھائیوں کے گھر پاس پاس تھے۔ نفیسہ بیگم ذرا سخت مزاج تھیں اور علی کی آمد انہیں کچھ ناگوار گزری تھی مگر حشمت جاہ کے سامنے بولنے کی کسی کی جرأت نہ تھی۔ رمنا' کاشف' ہما اور ثنا ان کی اولاد تھے۔ رفاقت جاہ کے دو بیٹے ہارون اور نعمان اور دو بیٹیاں آنسہ اور عاتکہ تھیں۔ گو حشمت جاہ نے کبھی بھی علی سے غیروں والا سلوک نہیں کیا تھا۔ اور اسے بالکل اپنے بچوں کی طرح پالا تھا مگر نفیسہ بیگم کا رویہ از خود یہ باور کرانے کو کافی تھا کہ وہ غیر تھا۔ وہ اس گھر میں ترس کھا کر لایا گیا ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے خود بخود گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ دوڑ دوڑ کر سب کے کام کرتا۔ انکار کرنا تو وہ جانتا ہی نہ تھا۔ نفیسہ بیگم کو اب اس کی اہمیت کا اندازہ ہوا تو ان کے رویے میں خود بخود لچک آ گئی۔ گھر کے اندر باہر کے کاموں کے لیے علی سے زیادہ بااعتبار شخص بھلا اور کون ہو سکتا تھا۔ رمنا اس سے چھ برس بڑی تھی جبکہ کاشف اور نعمان اس سے چھوٹے تھے۔ ہارون گزشتہ پانچ برس سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ وہ رمنا سے سال بھر ہی بڑے تھے۔ یوں رمنا گھر میں سب بچوں میں بڑی تھی مگر بلا کی شوخ و چنچل واقع ہوئی تھی۔

"شش۔ شش۔" آواز پر علی نے کتاب پر سے نظریں ہٹائیں۔ انٹر کے ایگزامز ہونے والے تھے اور وہ جب بھی فارغ وقت ملتا پڑھنے میں صرف کر دیتا۔

"علی! ادھر۔" اس نے سر گھما کے دیکھا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی پچھلے صحن میں کھلتی تھی۔ وہاں رمنا موجود تھی۔

"آپ یہاں۔"

"یہ فلم تو لا دو۔" رمنا نے ایک چٹ اس کی طرف بڑھائی۔ "ان تینوں میں سے جو بھی ہو لے آنا۔"

"مگر....." وہ جانتا تھا اکا جان ان فلموں خاص طور پر انڈین فلموں کے سخت خلاف تھے اور یوں چوری چھپے رمنا کو فلم لا کر دینا اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

"افوہ۔ اگر مگر چھوڑو اور جلدی سے فلم لے کر آؤ۔ میں اس وقت سخت بور ہو رہی ہوں۔" اسے گریجویشن کیے ہوئے بھی دو سال ہو گئے تھے۔ ایم اے میں داخلہ لینے کا فی الحال کوئی ارادہ نہ تھا۔ یوں تو اکا جان یعنی حشمت جاہ نے خاصی سخت طبیعت پائی تھی مگر لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے وہ سب سے بڑے حامی تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ چٹ ہاتھ میں تھامے باہر نکل گیا۔ فلم کی کیسٹ اپنے سویٹر میں چھپائے وہ اندر داخل ہوا تو اکا جان کو دیکھ کر رنگ فق ہو گیا۔ وہ سامنے ہی برآمدے میں بیٹھے تھے۔

"علی!" انہوں نے دیکھتے ہی پکارا تھا۔

"ج..... جی السلام علیکم!" وہ تھوک نگلتا انہی کے پاس چلا آیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو برخوردار؟" اکا جان ہفتے میں تین دن اپنے فارم ہاؤس میں گزارا کرتے تھے۔ اس بار وہ دو دن بعد ہی واپس آ گئے تھے۔

"جج..... جی ٹھیک ہوں۔" اس نے بغل میں دبی فلم کی کیسٹ کو بے بسی سے دیکھا۔

"پرچے کب ہیں تمہارے؟"

"پندرہ دن بعد۔"

"پندرہ دن بعد تمہارے امتحان ہیں اور تم یوں باہر گھوم پھر رہے ہو۔"

"جج..... جی وہ میں کام سے گیا تھا۔"

"اچھا اچھا جاؤ جا کر پڑھو۔" گلو خلاصی ہونے پر وہ شکر بجالاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ رمنا پچھلے صحن میں موجود تھی۔

"یہ لیجیے۔ آپ کی فلم نے تو آج مجھے مروا دینا تھا۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"اکا جان تشریف لے آئے ہیں۔"

"کیا؟ مگر ابھی تو صرف دو دن..... اوہ مارے گئے۔ تم یہ فلم واپس کر آنا۔" رمنا گویا سر پر پیر رکھے واپس دوڑ گئی۔ اور وہ فلم کی کیسٹ ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔

❁❁❁

اے لیولز میں وہ شاندار نمبروں سے کامیاب ہوئی تھی جس پر مما بے حد خوش ہوئی تھیں۔ مما کو خوش دیکھ کر ماہا کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔ اتنی شاندار کامیابی پر اسے اسکالرشپ ملا تھا۔ مما خود بھی اسے انگلینڈ بھیجنا چاہتی تھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے۔ لندن میں اس کے چچا کا گھر تھا۔ اس لیے مما بے فکر تھیں۔ وہ پہلی بار بوا جی اور مما سے دور جارہی تھی۔ اس لیے خاصی افسردہ تھی۔ مما کے سامنے اس نے اپنے آنسوؤں پر کافی کنٹرول کیا تھا کیونکہ مما کو رونے والے لوگ سخت برے لگتے تھے مگر ائرپورٹ پر مما کے گلے لگ کر وہ بری طرح سے روئی تھی۔ مما کی فارن ڈیلی گیشن سے میٹنگ نہ ہوتی تو وہ خود اس کے ساتھ لندن جاتیں مگر میٹنگ بے حد اہم تھی اور تب اس نے پہلی بار مما کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی۔ بظاہر سخت اور سپاٹ چہرے والی مما کا دل خاصا گداز تھا۔ اور وہ اس سے بے حد پیار کرتی تھیں۔ یہ اسے اب معلوم ہوا تھا۔

"ہیتھرو ائرپورٹ۔" پر وہ اپنا سامان لئے پریشان سی کھڑی تھی۔ مما نے کہا تھا کہ چاچو اسے ائرپورٹ پر ریسیو کرلیں گے۔ آدھا گھنٹہ ہوگیا تھا مگر چاچو کا کہیں پتا نہ تھا۔

"ایکسکیوزمی!" اپنے دائیں طرف مڑ کر دیکھا۔ وہ گریس فل سا بندہ اُسی سے مخاطب تھا۔ "اینی پرابلم لٹل گرل؟" اُس کی آنکھیں جانے کیوں بھر آئیں۔

حسیب! کہاں رہ گئے یار؟" تبھی وہاں ایک دوسرا شخص چلا آیا اور پہلے والے سے مخاطب ہوا۔

"آ..... آپ پاکستانی ہیں؟" ماہا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اجنبی دیس میں کوئی ہم وطن مل جائے تو ایک الگ ہی احساس ہوتا ہے۔

"کیا ہم شکل سے جاپانی لگتے ہیں۔" وہ شخص جس کا نام حسیب تھا دھیرے سے مسکرایا۔ اُس کے لہجے میں شگفتگی کے ساتھ ساتھ بڑوں کی سی شفقت تھی۔ اُن کی عمروں کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ دونوں پینتیس سے چالیس کے درمیان لگتے تھے۔ ماہا نے محسوس کیا کہ وہ دوسرا شخص ماتھے پر بل ڈالے اُسے تیکھے چتون سے گھور رہا تھا۔

"کیا آپ اکیلی ہیں؟" حسیب نے پوچھا تو اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرے چاچو کو مجھے ریسیو کرنے آنا تھا مگر وہ اب تک پہنچے ہی نہیں۔"

"آؤ ہم تمہیں ڈراپ کردیتے ہیں۔ گھر کا پتا تو ہے نا تمہارے پاس؟"

"جی مگر....." وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

"حسیب! ہم پہلے ہی خاصے لیٹ ہوچکے ہیں۔ چلو اب یہاں سے۔" اُس شخص کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بیزاری تھی۔ تبھی ماہا کو سامنے سے چاچو آتے ہوئے دکھائی دیئے تو وہ ہاتھ ہلاتی اُن کی طرف بڑھ گئی۔ جاتے جاتے مڑ کر حسیب کی طرف ایک سائل پاس کی۔ دوسرے شخص پر نظر پڑتے ہی اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے اُسے جانے کیوں اس شخص کی سرد آنکھوں سے خوف سا محسوس ہوا تھا۔

❁❁❁

"ارے وہ دیکھو" نیچ می ناٹ۔" ثوبیہ کے کہنے پر رمنا سمیت اُن چاروں نے مڑ کر دیکھا تھا۔ گرلز کالج کے گیٹ پر وہ متلاشی نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"ارے یہ گھنا شکل سے کیسا معصوم لگتا ہے اور اس طرح گرلز کالج کے سامنے کھڑا لڑکیوں کو گھور رہا ہے۔" ندرت نے تبصرہ کیا۔

"رمنا! تم تو کہتی تھیں بڑا سیدھا لڑکا ہے۔" عظمیٰ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ رمنا خود بھی حیران نظر آرہی تھی کیونکہ آج سے پہلے کبھی بھی علی کو گرلز کالج کے سامنے نہیں دیکھا تھا۔ "اوہ اب سمجھی آج کالج میں فن فیئر ہے نا اور موصوف رنگ برنگی لڑکیوں کا نظارہ کرنے آئے ہیں۔" رمنا نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ چاروں تو گریجویشن کے بعد فارغ ہوچکی تھیں مگر آج فن فیئر کی وجہ سے

چاروں اکٹھی ہوئی تھیں۔ ہما، ثنا، آنسہ اور عاتکہ بھی ساتھ میں تھیں تبھی شاید علی کی نظر رمنا پر پڑی تھی اور اس نے اسے اشارے سے بلایا تھا۔

"واہ! کیا دیدہ دلیری ہے۔ جاؤ بھئی تمہیں بلا رہا ہے۔" ثوبیہ نے کہا تو وہ گیٹ کی طرف چل دی۔

"علی! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"انکا جان نے مجھے آپ لوگوں کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔"

"ڈرائیور کہاں ہے؟"

"اس کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی تھی۔ اپینڈکس کا کیس ہے۔ ابھی ابھی ہسپتال میں داخل کروا کر آیا ہوں۔ انکا جان بھی وہیں ہیں۔ آپ ثناء آنسہ وغیرہ کو بلائیے میں اتنے میں ٹیکسی پکڑتا ہوں۔" بعجلت کہتا وہ پلٹ گیا۔

"لو۔ ہم لوگ خوامخواہ بے چارے پر شک کر رہے تھے۔ ایسے ہی تو ہم نے اس کا نام "نچ می ناٹ" نہیں رکھا۔ لڑکیوں سے تو یوں دور بھاگتا ہے جیسے جیسے....." رمنا کوئی مثال سوچنے کو رکی۔

"جیسے چوہا بلی کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔" ندرت نے ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا تو وہ چاروں ہنس دیں۔

"اس لڑکے کو محبت کے جال میں پھانسنا خاصا مشکل بلکہ ناممکن لگتا ہے۔ جانے کون قسمت کی ماری اس پتھر سے سر ٹکرائے گی۔" ثوبیہ نے کہا۔ اتنے میں آنسہ وہاں آ گئی تو رمنا نے اسے باقی تینوں کو بلانے بھیج دیا جو جانے کس کس اسٹال پر گھوم رہی تھیں۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ علی کو امپریس کرنا مشکل کام ہے۔" رمنا نے ثوبیہ سے کہا۔

"جو لڑکا لڑکیوں کا نام سن کر بدکتا ہو۔ وہ بھلا کسی لڑکی سے پیار کی پینگیں کیسے بڑھائے گا۔"

"میں نہیں مانتی۔" رمنا نے کندھے اچکائے۔

"آزمائش شرط ہے۔"

"چیلنج کرتی ہو؟"

"بالکل۔"

"اگر میں اسے پٹانے میں کامیاب ہوگئی تو کیا دو گی؟"

"جو تم کہو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ مجھے یہ چیلنج منظور ہے۔"

"پاگل ہوئی ہو تم دونوں۔ اپنے سے چھ برس چھوٹے لڑکے کو پھنسانے چلی ہو۔" عظمیٰ نے ٹوکا۔

"چھوٹا ہے تو کیا ہوا۔ ہم کون سا سیریس ہیں۔" رمنا نے بالوں کو جھٹکا۔

"پھر بھی۔ وہ بہت معصوم لڑکا ہے۔ تم لوگ یہ فلرٹ کر کے....."

"افوہ عظمیٰ تم اتنی ایموشنل کیوں ہو رہی ہو؟ یہ تو صرف مذاق ہے۔" رمنا نے دوپٹہ سر پر جمایا۔ ثناء ہما وغیرہ آ چکی تھیں۔ سامنے ہی گیٹ پر علی کھڑا تھا۔ وہ اس کے ہمراہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

کالج کا پہلا دن تو تعارف وغیرہ میں گزر گیا۔ اس کا ایڈمیشن تو لندن پہنچنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چند دن تو یوں ہی بور سے گزر گئے۔ کلاس میں کسی سے خاص فرینکنس نہ ہو سکی تھی۔ کچھ وہ کم گو اور الگ تھلگ رہنے والی تھی تو کچھ ان گوروں کا رویہ سرد سا تھا۔ جو ہر ایشین خاص طور پر برصغیر کے باشندوں سے ہوتا ہے۔ شاید ان کے ذہن میں آج بھی یہ بات قائم ہے کہ نصف صدی پہلے برصغیر کے لوگ ان کے غلام تھے اور پچاس برس کا عرصہ بھی ان کے ذہنوں سے برتری کا زعم ختم نہیں کر پایا۔

"ہیلو میں نندنی شریا ہوں۔" پانچویں روز اس کی کلاس فیلو اس کے روبرو تھی۔ ماہا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ماہا درانی۔" ماہا نے اپنا ہاتھ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں دیا۔

"پاکستانی؟" نندنی کے پوچھنے پر ماہا نے اثبات میں

digest Novels Lovers group

سر ہلا دیا۔

"میرا تعلق بھارت کے شہر آگرہ سے ہے۔ کیا تم مجھ سے دوستی کرنا پسند کرو گی؟"

"آف کورس۔" ماہا دھیرے سے مسکرائی۔ پھر اگلے چند دنوں میں دونوں کی کافی دوستی ہو چکی تھی۔ ماہا جتنی کم گو تھی، نندنی اتنی ہی باتونی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایکسائیٹڈ ہو جایا کرتی تھی۔ نندنی کی فیملی گذشتہ بیس برس سے لندن میں ہی سیٹل تھی۔ ماہا کے چاچو اویس درانی کے گھر میں ان کی بیگم اور دو چھوٹے چھوٹے بیٹے تھے۔ سعد اور اسد بالترتیب چھ اور چار سال کے تھے۔ اویس درانی کا اپنا پیٹرول پمپ اور ایک دو شاپس تھیں جبکہ ان کی بیگم صبا بھی جاب کرتی تھیں۔ دونوں بچے اسکول جاتے تھے۔ ماہا کالج میں ہوتی تھی۔ یوں چاچو کے گھر سب شام کے وقت ہی اکٹھے ہو پاتے تھے۔ اکثر اویس درانی اور صبا لیٹ نائٹ پارٹیز بھی اٹینڈ کیا کرتے تھے۔ اویس چاچو لے دے رہنے والے انسان تھے۔ صبا بھی مصروف رہتی تھیں۔ ماہا چند ہی دنوں میں بور ہو گئی تھی اور ایسے میں نندنی کی دوستی اسے غنیمت لگی تھی۔ مما تقریباً روز ہی فون کرتی تھیں۔ مما اس کے بارے میں جتنی فکر مند رہتی تھیں، چاچو اتنے ہی بے فکر تھے۔ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ماہا کتنے بجے گھر سے جاتی ہے؟ کہاں جاتی ہے اور کیوں جاتی ہے؟ ایک بار ماہا نے ان سے نندنی کے گھر جانے کی اجازت مانگی تو چاچو اور صبا چچی نے اسے یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی عجیب بات کہی ہو۔

"یہ پاکستان نہیں انگلینڈ ہے۔ تم جہاں جانا چاہو ہم سے بنا پوچھے جا سکتی ہو۔ ہاں مگر اپنے ساتھ اپارٹمنٹ کی ایکسٹرا چابی رکھنا مت بھولنا۔" چاچو کی بات پر وہ حیران ہوئی تھی مگر رفتہ رفتہ عادی ہو گئی۔ اگرچہ مما پاکستان میں تھیں مگر ان کا خوف یہاں بھی اس کے دل میں تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی ایسا کام نہیں کرتی تھی جو مما کو ناپسند تھا۔ نندنی کے علاوہ اس کی دوستی میمونہ عبدالعزیز اور صوفیہ بشیر سے بھی ہو گئی تھی۔ جو چند دنوں بعد ان کی کلاس میں آئی تھیں۔ میمونہ کا تعلق مصر سے تھا جبکہ صوفیہ ترکی سے تعلق رکھتی تھی۔ میمونہ بہت سادہ سی لڑکی تھی جبکہ صوفیہ نندنی کی طرح شوخ مگر کچھ اڑیل سی لڑکی تھی۔ وہ اپنے موڈ کی مالک تھی۔ موڈ ہوتا تو رات گئے تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتی رہتی اور کبھی دو دو دن تک کالج نہ آتی۔ صوفیہ کی طرح نندنی بھی گھومنے پھرنے کی دلدادہ تھی۔ وہ دونوں اچانک ہی کوئی نہ کوئی پروگرام سیٹ کر لیتیں اور ماہا کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیتیں۔ میمونہ تو صاف انکار کر دیتی مگر ماہا ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتی۔ اس روز بھی وہ تینوں ونڈو شاپنگ کے لیے نکلی ہوئی تھیں۔ گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ سڑک کے کنارے بنے فٹ پاتھ پر واک کر رہی تھیں۔

"ایک بات کہوں؟" نندنی کے کہنے پر صوفیہ اور ماہا اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مجھے کسی سے محبت ہوئی ہے۔"

"کس سے؟" دنوں کے منہ سے نکلا تھا۔ نندنی نچلا لب دانتوں میں دباتے ہوئے مسکرائی۔

"کچھ منہ سے بھی پھوٹو گی یا یوں ہی مسکراتی رہو گی۔" ماہا نے کہا۔

"اجیت نام ہے اس کا۔"

"تم کہاں ملیں اس سے؟ دیکھنے میں کیسا ہے؟ کرتا کیا ہے؟ کیا ہمارے کالج میں پڑھتا ہے؟" صوفیہ اور ماہا کے پے در پے سوالات پر نندنی نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"دم تو لو ذرا۔ سب بتاتی ہوں۔ وہ انڈیا میں رہتا ہے۔ ایم بی اے کر رہا ہے پچھلے دو ماہ سے ہمارا انٹرنیٹ پر رابطہ ہے۔" نندنی نے تفصیل بتائی۔

"تو تم اس سے ملی نہیں؟"

"نہیں مگر جلد ہی وہ یہاں آئے گا۔ اپنے ماتا پتا کے ساتھ۔"

"اوہ جبھی میں کہوں محترمہ نندنی صاحبہ دن بدن نکھرتی کیوں جا رہی ہیں۔" صوفیہ نے چھیڑا تو وہ ہنس

دی۔
"چلو اسی خوشی میں آئس کریم کھاتے ہیں۔" نندنی نے آفر کی۔
"اف! اتنی ٹھنڈ میں۔ پھر ابھی تو کافی پی ہے۔" ماہا نے سردی کی شدت محسوس کرتے ہوئے کہا۔
"کافی پیے ہوئے گھنٹہ ہو گیا ہے۔ چلو نا۔ یہی تو موسم ہے آئس کریم کھانے کا۔" وہ دونوں اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے لے گئیں۔ کون آئس کریم ہاتھ میں لیے وہ پلٹی تھی اور کسی سے بری طرح ٹکرائی تھی۔ ہاتھ میں موجود آئس کریم مقابل کا لباس داغ دار کر چکی تھی۔ ماہا نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک لمحے کو خوفزدہ سی ہو گئی۔ دو آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ ان آنکھوں کی وحشت اسے سہانے کو کافی تھی۔
"سس..... سوری..... مم..... میں....." اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کرتی۔ وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھ چکا تھا۔ ماہا کی آنکھیں جانے کیوں بھر آئیں۔
"کیا ہوا؟ کچھ کہا اس نے؟" اس کے رونے پر وہ دونوں بھی گھبرا گئی تھیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"پھر تم رو کیوں رہی ہو؟"
"پتا نہیں۔ چلو اب گھر چلتے ہیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔" ماہا نے آنسو پونچھتے ہوئے آگے قدم بڑھا دیے مگر ابھی بھی یوں لگ رہا تھا جیسے کسی کی نگاہوں کی تپش اسے پگھلا دے گی۔

❁❁❁

"شش۔" علی نے آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔ پچھلے صحن میں کھلنے والی کھڑکی میں رمنا کھڑی تھی۔
"آپ یہاں؟ کوئی کام تھا کیا۔" وہ اٹھ کر کھڑکی تک آیا۔
"کیوں؟ کیا میں بغیر کسی کام کے یہاں نہیں آ سکتی؟" بڑی بڑی جھیل کے گہرے پانی جیسی نیلی آنکھیں پٹپٹا کر بولتی ہوئی وہ بالکل گڑیا لگ رہی تھی۔ علی یک دم سٹپٹا گیا۔
"نہیں وہ میرا..... مطلب تھا کہ....." وہ اٹک سا گیا تو رمنا کھلکھلا کر ہنس دی۔ انکا جان آج صبح ہی فارم ہاؤس پر گئے تھے۔ اس لیے وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ ایسے میں رمنا کا علی کے کمرے میں آنا یقیناً اچھنبے کی بات تھی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ رمنا بغیر کسی کام کے علی کے پاس آئی تھی۔
"میں ادھر سے آتی ہوں۔" اور پھر اگلے چند سیکنڈ میں وہ اس کے کمرے میں موجود تھی۔
"اوہو۔ بڑی پڑھائیاں ہو رہی ہیں۔" اس کی چارپائی پر پڑی کتابیں دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ پھر خود بھی بیٹھ گئی۔ علی ابھی تک حیران و پریشان سا کھڑا تھا۔
"ارے تم کھڑے کیوں ہو؟ آؤ بیٹھو نا۔"
"آپ پلیز یہاں سے چلی جائیں اگر کسی نے دیکھ لیا تو....."
"تو؟ تو کیا؟" وہ بے خوفی سے بولتی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ علی کے لیے تو آج حیران ہونے کا دن تھا۔
"اچھا نہیں لگتا رمنا! اگر کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔"
"تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ اگر کوئی تمہیں مخاطب کرے گا تو صرف کام کے لیے ہی کرے گا۔ تم نے یہ کیوں فرض کر لیا ہے کہ تم اس گھر میں کام کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔"
"میں اپنی اوقات جانتا ہوں رمنا بی بی۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔
"شٹ اپ میرے نام کے ساتھ یہ بی بی وی بی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری اوقات کیا ہے یہ تم میرے دل سے پوچھو۔" وہ قدرے رخ موڑ کر بڑبڑائی مگر اس طرح کہ علی اس کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سن سکتا تھا۔
"اپنی وے تم پڑھو۔ میں چلتی ہوں۔" اس نے

جانے کے لیے دروازے کی طرف قدم بڑھائے پھر یک دم کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ”سنو احساس کمتری سے نکل آؤ اپنے آپ کو اتنا کمتر مت سمجھا کرو۔“ یہ کہہ کر وہ جھپاک سے باہر نکل گئی۔

”شاباش رمنا! آج کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔“ باہر نکل کر اس نے دل ہی دل میں خود کو داد دی تھی اور پھر زیر لب گنگناتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

”ہیلو سر۔“ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ گڑیا سی لڑکی اسی سے مخاطب تھی۔

”مجھے پہچانا آپ نے؟“

”آف کورس بھئی۔ تمہیں میں بھول سکتا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔ ”کیسی ہو تم؟“

”فائن آپ کیسے ہیں؟“

”ایک دم فرسٹ کلاس۔ تم اس کالج میں پڑھتی ہو؟“

”جی مگر آپ یہاں.....؟“

”بھئی میرا دوست یہاں پر لیکچرار ہے۔ اسی سے ملنے آیا تھا۔ زعیم حسن۔ کمپیوٹر کلاسز لیتا ہے۔ شاید تم جانتی ہو۔“

”نہیں دیکھا تو نہیں مگر ان کے بارے میں سا ضرور ہے۔ وہ تو فائنل کی کلاسز کو پڑھاتے ہیں۔ میں تو ابھی جونیئر ہوں۔“

”ارے ہم اتنی دیر سے باتیں کر رہے ہیں۔ تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں۔ ویسے مجھے حسیب رضا کہتے ہیں۔ سب مجھے رضا کے نام سے پکارتے ہیں۔“

”میرا نام ماہا ہے۔“

”بالکل تمہاری طرح کیوٹ سا نام ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ کبھی بھی میری ضرورت ہو۔ میں حاضر ہوں۔“ حسیب نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھایا اور پھر پیار سے اس کے سر پر چپت لگاتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جاتے جاتے ایک بار پھر ماہا کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

”کون تھے یہ ہینڈسم؟“ صوفیہ نے پوچھا۔

”شرم کرو۔ اتنے بڑے ہیں وہ ہم سے۔“ ماہا نے گھورا۔

”اوہ کم آن ہینڈسم بندے کی تعریف کی جاتی ہے۔ عمر نہیں دیکھی جاتی۔“ صوفیہ نے بالوں کو جھٹکا۔

”تمہارے رشتہ دار ہیں کیا؟“ نندنی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

”نہیں ائرپورٹ پر ملاقات ہوئی تھی۔“

”اوہ.....“ نندنی اور صوفیہ نے چھیڑا۔

”کم آن وہ میرے لیے بالکل بڑے بھائی کی طرح ہیں۔“ ماہا نے زچ ہو کر کہا تو وہ دونوں ہنس دیں۔

”یہ میمونہ کی بچی تو قاہرہ کو پیاری ہو گئی ہے۔ اتنے دن ہو گئے کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔“ ماہا نے موضوع بدل دیا۔ میمونہ گذشتہ ایک ہفتے سے اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔

”پرسوں بات ہوئی تھی میری۔ میں تم لوگوں کو بتانا بھول گئی۔ اس کی دادی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ آ نہیں سکی۔“ صوفیہ نے چیونگم چباتے ہوئے مزے سے اطلاع دی۔ ماہا حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ کتنی بے پروا اور بے حس لڑکی تھی۔ کوئی مرے یا جیئے اس کے لیے عام سی بات تھی۔

”اور تم ہمیں اب بتا رہی ہو۔“

”کہا نا یاد نہیں رہا۔ کل شام کو پارٹی میں گئی ہوئی تھی میں اس لیے تم لوگوں کو بتانا بھول گئی۔“ ماہا محض تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ میمونہ اگلے دو دن بعد واپس آ گئی تھی۔ وہ بے حد افسردہ تھی۔ ماں کی وفات کے بعد دادی نے اسے پالا تھا۔ اس کے والد نے دوسری شادی کر رکھی تھی۔ اس لیے دادی ہی اس کے لیے سب کچھ تھیں۔ رفتہ رفتہ وہ بہل گئی۔ ماہا کو وہ بے حد اچھی لگتی تھی۔ میمونہ کی بھی نندنی اور صوفیہ کی نسبت ماہا سے زیادہ بنتی تھی۔

”سنو۔ آج شام کو میں تمہیں کسی سے ملوانا چاہتی ہوں۔“ اس روز نندنی نے ان تینوں سے کہا تھا۔

”کس سے؟“

"اجیت سے۔"

"واٹ! وہ لندن کب آیا؟" ماہا اور صوفیہ چلائیں۔

"دو دن ہو گئے۔"

"گھنی تم ہمیں اب بتا رہی ہو۔"

"ظاہر ہے پہلے میں خود تو مل لیتی اس سے۔"

"کیسا ہے۔"

"یہ تم لوگ بتانا۔ آج شام کو ہم آئس کریم بار میں مل رہے ہیں۔" نندنی نے انوائٹ کیا۔ میمونہ نے تو صاف انکار کر دیا۔ صوفیہ اور ماہا شام کو وہاں موجود تھیں۔ اجیت اچھا سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ صوفیہ اور ماہا دونوں کو وہ اچھا لگا تھا۔ ڈنر کے بعد اجیت اور نندنی چلے گئے۔ صوفیہ کا ارادہ واک کرنے کا تھا۔ مجبوراً ماہا کو اس کا ساتھ دینا پڑا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ مگر یوں لگ رہا تھا جیسے آدھی رات بیت گئی ہو۔ سرد موسم اور ہر طرف چھائی کہر۔ ماہا نے جیکٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے۔ صوفیہ کو کوئی جاننے والا مل گیا تو وہ ماہا کو رکنے کا کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ ماہا کو وہاں کھڑے کھڑے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا مگر صوفیہ کا کچھ پتا نہ تھا۔ وہ علاقہ بھی کچھ سنسان سا لگ رہا تھا۔ ماہا کو ایک دم خوف سا محسوس ہوا۔ اس نے واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔

"ہائے بے بی!" تین لڑکے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ ماہا نے ان کی جانب دیکھا تو جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ تینوں ہپی ٹائپ لڑکے خباثت سے دانت نکوستے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ ماہا نے آگے بڑھنا چاہا تو ایک لڑکے نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ہنی ڈونٹ وری۔ وی آر ود یو۔"

"لیو می۔" ماہا نے اپنا بازو چھڑانا چاہا مگر بے بس رہی۔ وہ تین لڑکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ کسی انہونی کا احساس ہوتے ہی اس کے آنسو بہنے لگے۔

"ڈونٹ کرائے بے بی۔" ایک لڑکے نے اس کے چہرے کو چھوا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"ہیلپ۔ ہیلپ۔" وہ بری طرح چلا رہی تھی۔ مگر وہاں اس کی مدد کو کوئی نہیں تھا۔ وہ سوائے چیخنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"اے لیو ہر (چھوڑو اسے)۔" پھنکارتی ہوئی آواز پر وہ تینوں لڑکے پلٹے تھے۔ سامنے کھڑا شخص ڈیل ڈول میں ان تینوں پر بھاری تھا۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔" ایک لڑکا بولا۔

"میں نے کہا لڑکی کو چھوڑ دو۔"

"اگر نہ چھوڑیں تو؟" اگلے ہی لمحے وہ ان لڑکوں پر پل پڑا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ تینوں وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ ماہا ایک طرف کھڑی منہ پر دونوں ہاتھ رکھے بری طرح رو رہی تھی۔

"چلو۔" وہ اسے اپنی گاڑی تک لایا۔ اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ مگر وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

"گھر کہاں ہے آپ کا؟" اس نے پوچھا مگر وہ روتی رہی۔

"دیکھیے۔ اس طرح رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ خدا کا شکر ادا کریں کہ میں بروقت وہاں پہنچ گیا۔ آپ مجھے اپنے گھر کا پتا بتائیں۔ میں آپ کو وہاں چھوڑ دیتا ہوں۔" اس کے تسلی آمیز لہجے پر ماہا کے آنسو تھمے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نظر اٹھا کر اس شخص کو دیکھ سکتی۔ وہ اس وقت مر جانے کی حد تک شرمندہ ہو رہی تھی۔ جھکے سر اس نے گھر کا پتا بتایا۔ اپارٹمنٹ کا دروازہ لاکڈ تھا اور وہ چابی رکھنا بھول گئی تھی۔ چاچو اور صبا چچی کسی پارٹی میں گئے ہوئے تھے اور ان کی واپسی رات دو تین بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ وہ پریشان سی دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ جب وہ گاڑی سے اتر کر اس کے پاس چلا آیا۔ یہاں خاصی روشنی تھی اور ماہا بخوبی اسے دیکھ سکتی تھی۔ آنکھوں میں سرد سے تاثرات لیے وہ شخص وہی تھا جو حسیب رضا کے ساتھ ائرپورٹ پر ملا تھا۔

"اینی پرابلم؟" اس کے پوچھنے پر ماہا نے جھجکتے

ہوئے سچویشن بتاتی۔ وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گیا۔

"اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو تم آج کی رات میرے گھر پر گزار سکتی ہو۔" اور جانے کیوں ماہا کا دل آنکھیں بند کر کے اس پر اعتبار کرنے کو چاہ رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو حادثہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے اس کا مردوں پر اعتبار اٹھا دیا تھا مگر سامنے کھڑا یہ شخص اس کے اعتماد کو بحال کر رہا تھا۔ ماہا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سارا راستہ خاموشی میں کٹا۔

"آؤ۔" دروازہ کھولتے ہوئے اسے اشارہ کیا تھا۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے اس کے پیچھے اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ اپارٹمنٹ سادہ مگر خوشنما تھا۔ ماہا کو صوفے پر بیٹھنے کا کہہ کر وہ اندر گم ہو گیا تھا۔ وہ سکڑی سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ ہاتھوں کو باہم رگڑ کر گرم کرنا چاہا۔ تبھی وہ آ گیا۔ ڈنر سوٹ کی بجائے وہ سادہ سی شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ ایک شال اس کی طرف بڑھائی تھی۔ اس کی نگاہوں میں سرد مہری تھی۔ ماہا کو جانے کیوں اس کی آنکھوں سے عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا۔

آتش دان میں جلتی لکڑیوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ اردگرد سے بے نیاز وہ رنگوں سے کھیلنے میں مصروف تھا۔ گاہے بگاہے پاس رکھے کافی کے مگ سے سپ بھی لے لیتا تھا۔ اونچا لمبا' مضبوط کسرتی بدن۔ گندمی رنگت اور کافی رنگ کے بال۔ رم لیس فریم کا چشمہ اس کی شخصیت کو پروقار بناتا تھا۔ دایاں ہاتھ گال پر رکھے وہ بے اختیار اسے دیکھے گئی۔

"اینی پرابلم؟" گمبھیر آواز پر وہ چونکی تھی اور پھر یک دم شرمندہ ہو کر سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ اس کے لیے بھی کافی لے آیا تھا۔

"مجھے زعیم حسن کہتے ہیں۔ جس کالج میں آپ پڑھتی ہیں۔ میں بھی وہیں پڑھاتا ہوں۔ گزشتہ سولہ برس سے لندن میں مقیم ہوں۔"

"اور آپ کی فیملی؟" نہ جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھی۔ لمحے بھر کو زعیم حسن کا چہرہ تاریک ہوا مگر اگلے ہی پل وہ سنبھل گیا۔

"میری کوئی فیملی نہیں ہے۔" چند ثانیے خاموشی رہ گئی۔ "آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی؟"

"میرا نام ماہا ہے۔ ماہا درانی۔ اپنی مما کی اکلوتی اولاد ہوں۔ پاپا کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ تب میں صرف چند سال کی تھی۔ مما نے ہی مجھے ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا ہے۔ اے لیولز میں ٹاپ کرنے پر مجھے اسکالرشپ ملا تھا۔ اس لیے پڑھنے کے لیے میں یہاں آئی ہوں۔ یہاں اپنے چاچو کے ساتھ رہتی ہوں۔"

"میں رات دیر تک پینٹنگ کرنے کا عادی ہوں۔ آپ سونا چاہیں تو سامنے والے بیڈروم میں جا کر سو سکتی ہیں۔" وہی اجنبی سا لہجہ عود کر آیا تھا۔ وہ اٹھ کر ایزل کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔ آف وائٹ اور براؤن میچنگ پردے اور قالین اور بڑا سا جہازی سائز کا بیڈ۔ ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے کمرہ خاصا گرم تھا۔ بیڈ پر لیٹتے ہی ماہا کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ نرم گرم کمبل میں لپٹی وہ چند ہی لمحوں میں غافل ہو گئی۔

زعیم کافی دیر پینٹنگ میں مصروف رہا۔ کافی دنوں سے وہ یہ پینٹنگ مکمل کرنا چاہ رہا تھا مگر وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ یہ پینٹنگ مکمل کر پایا تھا۔ دیوار گیر گھڑیال نے تین بجنے کا اعلان کیا تب اسے احساس ہوا کہ کتنا وقت بیت گیا تھا۔ رنگوں کو سمیٹ کر رکھا اور آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر بے خبر سوئی ماہا پر پڑی۔ وہ بالکل بھول چکا تھا کہ ماہا وہاں تھی۔ اتنی دیر میں وہ اس کے وجود سے یکسر بے پروا ہو گیا تھا۔ اب اسے سامنے دیکھ کر احساس ہوا تھا۔ کتنے سکون سے سو رہی تھی وہ۔ ابھی کم عمر تھی نا ورنہ ایک غیر مرد کی موجودگی میں اسی کے کمرے میں اس قدر سکون سے نہ سو رہی ہوتی۔ زعیم نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ ہر بار یہ چہرہ اسے ڈسٹرب کر دیتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ سر جھٹکتا باہر نکل آیا۔

❁❁❁

"تم نے کبھی غور سے آئینے میں خود کو دیکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟" علی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے کوئی مشکل سوال تو نہیں کیا۔"

"رمنا! آج کل آپ....." وہ کچھ کہتے کہتے جھجک گیا۔

"آج کل میں بہت عجیب عجیب باتیں کرنے لگی ہوں۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا۔" وہ خاموش رہا۔ "علی! تم نے کبھی سوچا ہے کہ تم کتنے خوب صورت ہو۔"

"میرے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا ہے کہ میں اپنے لیے کچھ سوچ سکوں۔" پہلی بار ہلکا سا شکوہ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"یہ تو تمہاری غلطی ہے۔ تم نے کیوں خود کو اتنا مصروف کرلیا ہے۔ اپنے لیے وقت نکالو علی۔ اپنی ایک علیحدہ شناخت بناؤ۔ ایک مقام بناؤ۔"

"رمنا بی بی! جدوجہد وہاں کی جاتی ہے جہاں کوئی آپ کو سراہنے والا ہو آپ کے غلط پر ٹوکنے والا ہو۔ اور صحیح پر داد دینے والا ہو۔"

"میں..... میں ہوں نا۔"

"جی۔" وہ خاصا حیران ہوا تھا۔

"ہاں علی! تم میرے لیے کیا ہو یہ شاید تم نہیں جانتے۔"

"رمنا! آپ....."

"شش۔" لبوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "سوچو مگر اتنا زیادہ نہیں۔ اچھا میں چلتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی اور علی سوچوں کے بھنور میں پھنسا وہیں بیٹھا رہا۔ رمنا کا یہ التفات علی کے لیے باعث حیرت تھا۔ وہ اب اکثر علی کے ساتھ باتوں میں مصروف پائی جاتی تھی۔ جن دنوں انکا جان گھر پر ہوتے رمنا کی علی سے ملاقاتیں تقریباً ختم ہوجاتیں۔ علی گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھانے بھی جایا کرتا تھا۔ فارغ اوقات میں رمنا سے گپ شپ ہوتی۔ لاشعوری طور پر وہ بھی اس کی کمپنی انجوائے کرنے لگا تھا۔ اسے بھی رمنا کا انتظار رہنے لگا تھا۔

رمنا کا ماسٹرز مکمل ہوا اور علی نے انٹر پاس کرکے گریجویشن کے لیے ایڈمیشن لے لیا۔ رمنا اور علی میں خاصی بے تکلفی ہوچکی تھی۔ نفیسہ بیگم اکثر بیمار رہتی تھیں۔ انہیں اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ اس کی ناک کے نیچے رمنا کیا کھیل کھیل رہی تھی۔ اس لیے شادی میں شرکت کرنے کے لیے تیاریاں کی جارہی تھیں۔ سبھی لوگ جارہے تھے۔

"علی! بیٹا ذرا دیکھنا تو یہ لڑکیاں کہاں رہ گئیں۔ غضب خدا کا اتنی دیر ہونے کو آئی پر ان لڑکیوں کی تیاریاں ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔" نفیسہ بیگم جھلا کر کہتے ہوئے تخت پر بیٹھ گئیں۔ ڈرائیور کب سے گاڑی تیار کیے کھڑا تھا مگر ان لڑکیوں کا کہیں پتہ ہی نہ تھا۔ علی اوپر گیا تو شاء اور ہما تیار ہوکر نیچے ہی آرہی تھیں۔ وہ دھیرے سے دستک دے کر رمنا کے کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کو جھجک گیا۔ رمنا بنا دوپٹے کے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

"کون؟ علی! یہ تم ہو۔ چلو شکر ہے کوئی تو آیا۔ پلیز ذرا یہ نیکلس کا ہک تو لگا دو۔" دوپٹہ شانے پہ دھرتے ہوئے اس نے لمبے گھنے بالوں کا آبشار ہٹایا اور علی کے پاس چلی آئی۔

"مم..... میں وہ....." وہ بدکا تو رمنا نے ایک ادا سے اسے گھورا۔

"افوہ پہلے ہی اتنی دیر ہوگئی ہے۔" وہ ٹھنکی۔ علی نے لرزتے ہاتھوں سے نیکلس کا ہک لگایا اور فوراً پلٹنے لگا جب رمنا نے پکار لیا۔

"اے بتاؤ گے نہیں کہ میں کیسی لگ رہی ہوں۔" علی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو مبہوت رہ گیا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اگلے ہی پل وہ نظر چرا گیا۔

"بتاؤ نا۔ بتانا نہیں چاہتے یا ہمت نہیں رکھتے۔" رمنا اس کے سامنے آگئی۔

"بہت..... بہت اچھی۔" وہ گھبرا کر کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

digest Novels Lovers group

"بے وقوف۔" رمنا کے لبوں پر گہری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

❁❁❁

ماہا کی آنکھ کھلی تو ایک لمحے کو وہ بالکل بھول چکی تھی کہ وہ کہاں تھی۔ انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ تبھی اس کی نظر سامنے دیوار پر لگی تصویر پر پڑی اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ کہاں تھی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ لاؤنج میں رکھے صوفہ کم بیڈ پر زعیم سو رہا تھا۔ سامنے پڑی میز پر رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ کافی کے مگ اسی طرح دھرے تھے۔ ایزل پر دھری پینٹنگ مکمل ہو چکی تھی۔ ماہا کچھ دیر اس پینٹنگ کو دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس پینٹنگ میں مصور کیا دکھانا چاہ رہا تھا مگر پھر بھی وہ بے حد خوب صورت تھی۔ دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ وہ پلٹی تو ایک لمحے کو رک سی گئی۔ زعیم حسن جاگ چکا تھا اور اسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جانے کیوں گھبرا سی گئی۔

"گڈ..... گڈ مارننگ۔" اس کے سامنے یوں ہی الفاظ زبان کا ساتھ چھوڑنے لگتے تھے۔ وہ دھیرے سے سر ہلاتا اٹھ کر اندر چلا گیا۔ ماہا نے سینے میں اٹکی سانس خارج کی۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔

"اوہ۔ نو بجے تو مسز مارگریٹ کی کلاس ہے۔ آج کا لیکچر تو بہت اہم ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "مجھے اب گھر جانا چاہیے۔" وہ سوچوں میں گم بیٹھی تھی جب زعیم حسن کمرے سے برآمد ہوا۔ وہ ابھی تک رف سے حلیے میں تھا۔

"وہ..... سر میں..... گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"میں نے آپ کو روکا تو نہیں ہے۔" وہی سرد مہر سا لہجہ تھا۔ ماہا جانے کیوں شرمندہ ہو گئی۔ تب شاید زعیم کو اپنے رویے کا احساس ہوا۔

"میرا خیال ہے ناشتہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔"

"مجھے نو بجے کالج میں پہنچنا ہے۔ مم..... میں خود چلی جاؤں گی۔"

"آپ.....؟" وہ ایک لمحے کو رکا۔ "او کے میں گاڑی کی چابیاں لے لوں۔" اگلے چند منٹوں میں وہ اس کے ساتھ اپنے گھر کے راستے پر گامزن تھی۔

"تھینک یو سر۔" گھر کے سامنے اترتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"اٹس او کے۔ کوشش کیجیے گا کہ آئندہ یوں رات گئے تک باہر نہ رہیں۔" دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہتا وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ وہ مسلسل ڈور بیل بجا رہی تھی۔ صبح کے ساڑھے آٹھ بجے چاچو وغیرہ سو رہے ہوتے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد صبا چچی نے دروازہ کھولا تھا۔ اسے دروازے پر دیکھ کر وہ یقیناً حیران ہوئی تھیں۔

"تم اتنی صبح صبح کہاں چلی گئی تھیں؟" وہ یقیناً لاعلم تھیں کہ ماہا رات بھر گھر سے باہر رہی تھی۔

"وہ..... میں ایک فرینڈ کے گھر پر تھی۔" وہ جانے کیوں سچ نہ بتا سکی۔ صبا مطمئن ہوئیں یا نہیں مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ماہا کا دل جانے کیوں برا ہونے لگا۔ اس کے اپنے چچا چچی اس قدر بے پروا اور بے حس ہوں گے۔ اس کا اسے اندازہ نہ تھا۔ انہیں احساس ہی نہیں تھا کہ وہ رات بھر گھر سے کیوں غائب رہی تھی۔ اگر مما کو پتا چل جائے تو وہ مجھے جان سے مار ڈالیں۔ مما کا خیال آتے ہی وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"آئم سوری مما! آئندہ میں رات گئے تک گھر سے باہر نہیں رہوں گی۔" دل ہی دل میں وہ مما سے مخاطب تھی۔

❁❁❁

طیبہ چچی کے بڑے بیٹے ہارون تعلیم مکمل ہونے کے بعد کینیڈا سے آ رہے تھے۔ تقریباً سات برس بعد وہ واپس آ رہے تھے۔ اس لیے طیبہ چچی اور رفاقت چچا بے حد خوش تھے۔ گھر بھر میں ان کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ادھر دوسری طرف رمنا ہر وقت علی کے ساتھ دکھائی دیتی۔ جن دنوں انکا جان فارم ہاؤس پر ہوتے وہ

سارا سارا دن علی کو باتوں میں لگائے رکھتی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ علی بھی اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگا ہے۔

"بس کچھ دن اور اور پھر میں شرط جیت جاؤں گی۔" وہ فون پر ندرت سے بات کر رہی تھی۔

"مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم شرط جیت جاؤ گی۔ اور اب تو ثوبیہ کو بھی معلوم ہو گیا ہے۔"

"کوئی لڑکی خود سے کسی لڑکے کی طرف بڑھے اور لڑکا توجہ نہ دے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ویسے شرط جیتنے پر ثوبیہ سے لو گی کیا؟"

"تمہیں یاد ہے اس کا وہ پنک ڈریس جو اس نے اپنے لیے بنوا رکھا ہے اور مجھے بہت پسند آیا تھا۔"

"وہ..... وہ تو ثوبیہ کو بے حد پسند ہے۔"

"شرط تو شرط ہے۔ شرط لگائی ہے تو اب پوری بھی کرے۔" وہ مسکرائی تبھی اس کی نظر اندر داخل ہوتے علی پر پڑی۔

"تم نہیں جانتیں ندرت میں علی سے کس قدر پیار کرتی ہوں۔ وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ جان بوجھ کر علی کو سنانے کی خاطر اونچا بول رہی تھی۔ دوسری طرف ندرت کو ایک دم اس کے پلٹا کھانے پر حیرت ہو رہی تھی۔

"پتہ نہیں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے یا۔ بس تم میرے لیے دعا کرنا۔ اگر علی مجھے نہ ملا تو میں مر جاؤں گی۔" لہجہ گلوگیر بنایا۔ علی اپنی جگہ سن سا کھڑا تھا۔ فون رکھ کر رمنا پلٹی تو حیران ہونے کی زبردست ایکٹنگ کرنے لگی۔

"علی!..... تت..... تم کب آئے؟" لہجہ گھبراہٹ کا عکس لیے ہوئے تھا۔

"میں بس ابھی۔" وہ گویا کسی خواب سے جاگا تھا۔

"تم نے..... کچھ..... میرا مطلب ہے تم بالکل ابھی آئے ہو نا۔ تم نے کچھ سنا تو نہیں۔" اتنی زبردست ایکٹنگ کرنے پر رمنا نے دل ہی دل میں خود کو شاباش دی۔ وہ دھیرے سے نفی میں سر ہلاتا واپس پلٹ گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ کافی گم سم سا بیٹھا رہا۔ رمنا اس سے چھ برس بڑی تھی۔ عمروں کے فرق کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی وہ کبھی رمنا کو اس نظر سے دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ رمنا اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ یہ احساس اس کے لیے پریشان کن تھا۔

انیس برس کا وہ لڑکا اپنی عمر سے زیادہ پختہ سوچ کا مالک تھا۔ بے شک حشمت جاہ نے اسے اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ مگر وہ کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔ بھلا انہی کے ٹکڑوں پر پلنے والا لڑکا ان کا داماد..... نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ رمنا غلط راستے پر چل رہی ہے۔ اضطراری کیفیت میں ناخن چباتا وہ بے حد پریشان لگ رہا تھا۔

رمنا نے علی کا دل اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ایسا کیا تھا مگر اس کا الٹا اثر ہوا کہ وہ اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا۔ کوشش کرتا کہ فارغ اوقات میں گھر سے باہر رہے تاکہ اس کا اور رمنا کا سامنا کم سے کم ہو۔ بنا بنایا کھیل یوں بگڑ جانے پر رمنا تلملا کر رہ گئی۔ اب جبکہ وہ شرط جیتنے والی تھی۔ سب کچھ الٹ ہو گیا تھا۔

"علی! میری بات سنو۔" چند دنوں بعد اسے بات کرنے کا موقع مل ہی گیا۔

"کوئی کام....."

"شٹ اپ۔ کتنی بار کہا ہے خود کو ملازم سمجھنا چھوڑ دو۔" وہ درشتی سے بولی پھر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟" گہری جھیل سی نیلی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہو گیا۔ وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔

"بولو نا علی! آخر قصور کیا ہے میرا؟" اس کا بازو جھنجھوڑ ڈالا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"جھوٹ مت بولو۔ تم "جھوٹ مت بولو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

"آپ میرے لئے بے حد قابل احترام ہیں رمنا! میں کوئی غلط بات سوچ....."

"غلط بات۔" رمنا نے اُس کی بات کاٹی۔ "محبت کرنا غلط بات نہیں ہے۔"

"محبت؟"

"ہاں محبت۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں علی! یہ تم بھی جانتے ہو۔"

یہ ٹھیک نہیں ہے رمنا۔"

کیوں ٹھیک نہیں ہے؟"

"آپ کے اور میرے مقام اور حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"محبت حیثیت یا مرتبہ نہیں دیکھتی۔ ٹھیک ہے میں تم سے بڑی ہوں مگر محبت عمروں کے فرق سے ماورا ہوتی ہے۔"

"میں آپ کے قابل نہیں ہوں رمنا۔"

کیوں؟ تم لولے ہو لنگڑے ہو یا....."

"میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔" اُس کی بات قطع کر کے وہ بولا۔ لہجے میں بے بسی گھلی تھی۔

"مجھے نہیں پتا کچھ بھی۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ اُسے سوچوں کے بھنور میں بھٹکتا چھوڑ کر اُٹھ کر چلی گئی۔

❁❁❁

"آج شام کو ہم لوگ "اسپائیڈر مین ٹو" کا شو دیکھنے چل رہے ہیں۔" آخری لیکچر سے فارغ ہوتے ہی صوفیہ نے کہا تھا۔

"سوری۔ میں نہیں جاؤں گی۔" ماہا نے منع کر دیا۔

"اے ماہا! کیا ابھی تک خفا ہو مجھ سے؟" صوفیہ کے کہنے پر اُس نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔ "اتنی بار تو تم سے سوری کر چکی ہوں یار۔ ایکچوئلی اُس دن میرا اسکول فرینڈ مل گیا تھا اور میں....."

"پلیز صوفیہ! میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے کیا؟"

"تو پھر تم آج شام کو چل رہی ہو نا۔ دیکھو آج تو میمونہ بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہے۔"

"کم آن ماہا! چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر مت لیا کرو۔" نندنی نے بھی اسے قائل کرنا چاہا۔

"ٹھیک ہے مگر زیادہ دیر تک باہر نہیں رہوں گی۔" وہ چاروں شام کو سینما ہال پہنچ چکی تھیں۔ فلم دیکھنے کے دوران وقت گزرنے کا پتا بھی نہ چلا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔

"اوہ۔ اتنی دیر ہو گئی۔" کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ میمونہ بھی دیر ہو جانے پر کچھ پریشان سی ہو رہی تھی۔

"کم آن۔ تم لوگ تو خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ یہ لندن ہے سوئٹ ہارٹ۔" نندنی نے کہا تو صوفیہ نے بھی اس کی تائید کی۔ صوفیہ کے پاس اپنی گاڑی تھی۔ وہ چاروں ساتھ ہی چلی تھیں۔ صوفیہ نے سب کو ان کے گھروں پر ڈراپ کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔ میمونہ کو ڈراپ کر کے وہ اب ماہا کو ڈراپ کرنے جا رہی تھیں کہ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔

"اوہ نو۔" وہ تینوں یک زبان ہو کر بولی تھیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔" صوفیہ بونٹ پر جھکی کافی دیر سے فالٹ چیک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ڈیڑھ بج چکا تھا۔ ماہا پر جانے کیوں بے چینی سی سوار تھی۔ تبھی مٹیلک گرے سوک پاس آ کر رُکی تھی۔

"اینی پرابلم؟" جانی پہچانی آواز پر ماہا نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ حسیب رضا کو دیکھ کر اُسے یک گونہ سکون کا احساس ہوا۔

"اسلام علیکم سر!"

"ارے لٹل گرل! تم یہاں۔" ماہا نے مختصراً گاڑی خراب ہو جانے اور اتنی رات گئے باہر ہونے کا سبب بتایا۔

"اف تو ڈونٹ مائنڈ۔ ہم تمہیں ڈراپ کر دیتے ہیں۔" حسیب نے آفر کی تھی۔ اس کے "ہم" کہنے پر وہ چونکی۔ زعیم حسن بھی ساتھ ہی تھا جسے وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔ ماہا نے دیکھا اس کے چہرے پر پتھریلے سے تاثرات تھے۔ وہ تینوں حسیب کی گاڑی میں سوار ہو چکی

تھیں۔

"یہ کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ کے زعیم حسن ہیں۔" نندنی نے ماہا کے کان میں سرگوشی کی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہی از کول یار۔" صوفیہ نے بھی تبصرہ کیا جو اتنا بلند ضرور تھا کہ گاڑی میں موجود ہر فرد نے سنا تھا۔ حسیب رضا کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ زعیم اسی طرح سنجیدہ سا بیٹھا تھا۔

"اگر یہ کامپلی منٹ میرے اعزاز میں تھا تو بہت بہت شکریہ اور اگر ان کے لیے تھا تو....." زعیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے مصنوعی تاسف سے سر ہلایا تھا۔ زعیم نے ایک تنبیہی نگاہ حسیب پر ڈالی تھی۔

"یہ کامپلی منٹ اس کے لیے ہے جو واقعی خود کو اس لائق سمجھتا ہے۔" صوفیہ کے لہجے میں ازلی اعتماد تھا۔

"ویری ویل سیڈ۔" حسیب کا قہقہہ خاصا بلند تھا۔

"یہاں سے لیفٹ لے لیں۔" نندنی کا گھر آ چکا تھا۔ صوفیہ بھی اس کے ساتھ اتر گئی۔ اس کا ارادہ نندنی کے ہاں ٹھہرنے کا تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد گاڑی میں یک دم خاموشی سی ہوگئی۔

"لٹل گرل! آپ بولتی نہیں ہیں؟" حسیب نے بیک ویو مرر میں سے اسے دیکھا تھا۔ جو خاصی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"جج..... جی....."

"آپ اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟"

"نو سر! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" دائیں ہاتھ سے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

"واقعی جو رات کو دو دو بجے تک باہر رہ سکتا ہے۔ وہ بھلا کیونکر گھبرانے لگا۔" زعیم کے لہجے میں طنز کے ساتھ ساتھ محسوس کی جانے والی ناگواری تھی۔ ماہا کے دل پر منوں بوجھ آ گرا۔ جانے کس احساس کے تحت آنکھیں بھرا گئیں۔ حسیب اس کی بھیگی پلکیں دیکھ چکا تھا جبھی سرزنش کرنے والے انداز میں زعیم کی طرف دیکھا جو اسی سنجیدگی سے بیٹھا تھا۔ ماہا کو ڈراپ کرنے کے بعد حسیب زعیم سے الجھ پڑا۔

"تمہیں کیا ہو جاتا ہے یار۔ خوامخواہ بے چاری لڑکی کو شرمندہ کر دیا۔"

"تمہیں اعتراض کس بات پر ہے۔ میرے رویے پر یا اس کے شرمندہ ہونے پر۔"

"دونوں پر۔ اس نے بتایا تو تھا کہ مووی دیکھنے کے بعد واپسی پر ان کی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔ ایسا تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور پھر یہ یورپ ہے مائی ڈیئر۔ جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔"

"یورپ میں رہنے کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی اقدار کو بھول جائے۔ میں نے پہلے بھی اس لڑکی سے کہا تھا کہ رات دیر تک باہر نہ رہا کرے مگر....." حسیب کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چپ ہو گیا۔ حسیب کے لبوں پر بڑی مشکوک سی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے۔"

"اوہ لیو اٹ یار۔ تم جانتے ہو وہ ہم سے آدھی عمر کی ہے۔"

"محبت عمروں کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔"

"تم جانتے ہو مجھے محبت وحبت جیسی فضول باتوں پر یقین نہیں ہے۔"

"یقین کا کیا ہے۔ کبھی بھی آ سکتا ہے۔" حسیب اب مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔

"ہو سکتا ہے۔" زعیم نے شانے اچکائے۔ "مگر اس لڑکی سے محبت نیور۔" یکلخت اس کی آنکھوں کا رنگ لہو رنگ ہوا تھا۔ حسیب نے دھیان ہی نہ دیا۔

"تمہاری پینٹنگز کی ایگزیبیشن کب تک متوقع ہے؟" حسیب نے موضوع بدل دیا۔ اپنے دوست کے مزاج کو وہ خوب سمجھتا تھا۔

"اگلے ماہ۔ تھوڑا سا کام باقی ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی مکمل ہو جائے گا۔" گھر پہنچ کر بھی اس کا ذہن ماہا کی طرف لگا رہا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اس لڑکی کا چہرہ

اسے بہت کچھ یاد دلا گیا تھا۔ برسوں پہلے لگنے والی آگ ایک بار پھر بھڑک اٹھی تھی۔

❁❁❁

"اف۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ مسلسل اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "اکا جان میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔" دانتوں سے ناخن کترتے ہوئے وہ بے حد مضطرب نظر آرہی تھی۔ اس روز اکا جان اچانک ہی گھر آگئے تھے۔ وہ اس وقت علی کے کمرے کی طرف سے آرہی تھی۔ اکا جان کو سامنے دیکھ کر یک دم وہ گھبرا گئی۔ اکا جان اس وقت تو کچھ نہیں بولے تھے مگر دوسرے دن انہوں نے جو بات کی تھی۔ وہ رمنا کا چین وقرار چھین لینے کو کافی تھی۔ اکا جان نے علی اور رمنا کی شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ کھیل کھیل میں بات اتنی بڑھ جائے گی۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ علی کے اچھے کردار اور شرافت کو دیکھتے ہوئے حشمت جاہ نے بہت پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اسے اپنا داماد بنائیں گے۔ ان کا ارادہ ہما یا ثنا کے لیے تھا مگر کچھ عرصے سے وہ دیکھ رہے تھے کہ رمنا کا رجحان علی کی طرف تھا اور علی بھی رمنا کے کام بھرپور توجہ سے کرتا تھا۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہے کے مصداق حشمت جاہ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ نفیسہ بیگم نے دبے لفظوں میں اس فیصلے کی مخالفت کی تھی جس پر حشمت جاہ نے دوٹوک انداز میں انہیں منع کر دیا تھا۔ علی دیکھا بھالا تھا۔ آگے بڑھنے کا شوق رکھتا تھا۔

"مگر آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ دونوں کی عمروں میں چھ برس کا فرق ہے۔"

"بس بیگم ہمارا منہ نہ کھلوائیں۔ ہم نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ جو بات آپ گھر پر رہتے ہوئے نہ جان پائیں وہ ہم ایک لمحے میں جان گئے ہیں۔ مزید ہم کچھ سننا چاہتے ہیں نہ کہنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں۔ یہ اشارہ تھا کہ اب مزید کچھ بھی کہنا سننا بے کار تھا۔ نفیسہ بیگم خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئیں۔ رمنا نے ماں کے سامنے واویلا مچایا تو انہوں نے من وعن حشمت جاہ کے الفاظ دہرا دیے۔ رمنا بہر حال اکا جان کے سامنے بولنے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ علی بھی گزشتہ آٹھ دنوں سے فارم ہاؤس گیا ہوا تھا۔ اکا جان نے اسے بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔ جس پر وہ مارے حیرت کے کچھ دیر تک تو کچھ بول بھی نہ پایا تھا۔

"اکا جان! میں اتنی عزت کے لائق نہیں ہوں۔" ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"کیا ہمیں اتنا بھی حق نہیں کہ تمہیں اپنا بیٹا مان سکیں۔" ان کی بات پر وہ تڑپ گیا۔

"خدانخواستہ۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ دل وجان سے منظور ہے۔" مارے تشکر کے اس کی آنکھیں بھرا گئیں۔ یہ سب یوں اچانک ہو جائے گا اور اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس کی متلاشی نگاہوں نے رمنا کو ڈھونڈا تھا۔ اپنے جوش اور خوشی میں وہ نفیسہ بیگم کی نگاہوں کی سرد مہری کو بھی نہ دیکھ سکا تھا۔ پتا نہیں رمنا کہاں جا چھپی تھی۔ وہ اس رات سو نہیں پایا تھا۔ رمنا کتنی خوش ہوگی۔ وہ چشم تصور سے اس کے چہرے سے پھوٹتی روشنیوں کا عکس دیکھ رہا تھا۔ اگلی صبح ہارون جاہ آرہے تھے۔ سب لوگ انہیں لینے ائرپورٹ جارہے تھے۔ یہی موقع تھا رمنا سے ملنے کا مگر اسے یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ رمنا بھی ساتھ جارہی تھی۔ ثناء ہما اور عاتکہ کے پیپرز ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ لوگ ائرپورٹ نہیں جارہی تھیں۔ رفاقت جاہ، طیبہ چچی، رمنا، آنسہ اور نعمان ائرپورٹ جارہے تھے۔ رمنا نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر علی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ جس پر علی کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا تھا۔ رمنا اسے مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔ جس پر وہ الجھ کر رہ جاتا۔ کہاں تو وہ اس کے بغیر مر جانے کی باتیں کیا کرتی تھی اور اب جب کہ تقدیر نے بنا کسی رکاوٹ کے انہیں ایک کر دیا تھا۔ وہ بالکل لاتعلق ہو گئی تھی۔ جب سے ہارون آیا تھا اس کا زیادہ تر وقت طیبہ چچی کے ہاں گزرنے لگا تھا۔ وہ اکثر ہارون کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے پائی جاتی تھی۔

اس روز بھی علی اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا رمنا کے رویے پر غور کر رہا تھا جب ہلکی سی دستک کے ساتھی ہی دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئی۔ رمنا کو دیکھ کر علی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ آج اتنے عرصے بعد وہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے رمنا! تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو؟"

"میں یہاں تم سے صرف ایک بات کہنے آئی ہوں۔" اس کے بدلے بدلے لہجے پر علی ٹھٹکا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم انکا جان سے خود بات کر کے اس رشتے سے انکار کر دو۔" رمنا کی بات پر علی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"وہی جو تم نے سنا۔ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"مگر تم نے تو....."

"جھوٹ کہا تھا۔ مذاق تھا وہ سب۔"

"مذاق؟"

"ہاں شرط لگائی تھی میں نے ثوبیہ سے۔ اس کا خیال تھا تمہیں محبت کے جال میں پھانسنا بہت مشکل ہے اور اب میں یہ شرط جیت چکی ہوں۔"

"تت..... تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔ کہہ دو رمنا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ تم مذاق کر رہی ہو نا۔"

"مذاق یہ نہیں وہ تھا۔ جو میں نے پہلے کیا تھا اگر یقین نہ آئے تو میرے ساتھ ابھی چل کر دیکھ لو میری سب فرینڈز میرے کمرے میں موجود ہیں اور یہ دیکھو۔ یہ گلابی سوٹ..... شرط جیتنے پر ثوبیہ نے مجھے دیا ہے۔" علی بے یقینی سے اس کے ہاتھ میں تھامے سوٹ کو دیکھ رہا تھا

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کھیل اتنا سنجیدہ رخ بدل لے گا۔"

"مگر تم تو مجھ سے محبت....."

"محبت ہا۔ وہ بھی تم سے۔ ابھی میرا معیار اتنا نہیں گرا کہ میں تم سے محبت کرنے لگوں۔ وہ سب صرف ایک مذاق تھا۔ سمجھے بہتر ہو گا کہ تم خود انکا جان سے انکار کر دو کیونکہ تمہاری نام نہاد محبت میں وہ اپنی اولاد کی خوشیاں بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔" وہ چلی گئی جبکہ علی کتنی ہی دیر تک ایک ہی زاویے پر بیٹھا رہا۔

"نہیں رمنا میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔ محض کپڑوں کے چند ٹکڑوں کی خاطر وہ میرا دل نہیں توڑ سکتی۔ میری محبت اتنی ارزاں تھی کہ اس نے محض ایک جوڑے کی خاطر۔" وہ سر گھٹنوں میں دیے سسک اٹھا۔ "اتنا بڑا دھوکہ۔ آخر میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ رمنا یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" اس روز وہ زندگی میں پہلی بار رویا تھا۔ انکا جان سے کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ تو ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا تھا بھلا ان کے فیصلے سے انحراف کیسے کر سکتا تھا۔ اس نے پہلی بار کسی سے محبت کی تھی مگر یہ پتا نہ تھا کہ جس سے محبت کی ہے وہ محض کھیل کھیل رہی تھی۔ جس کی نظر میں اس کی قیمت چند کپڑوں سے بھی ارزاں تھی۔

❁❁❁

اس رات وہ تکیے میں چہرہ چھپا کر خوب روئی تھی۔ زعیم حسن کے الفاظ نیزے کی انی کی طرح دل میں کھبے تھے۔ وہی ہوا تھا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔ لاشعوری طور پر اتنی رات گئے زعیم کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کوشش کیجیے گا آئندہ اتنی دیر تک گھر سے باہر نہ رہیں۔" یہ الفاظ اس کے دل پر لکھے تھے مگر جانے کیوں اس بار چوک ہو گئی۔ زعیم کا لہجہ بے حد تکلیف دہ تھا۔

"مم..... میں میں ان سے سوری کر لوں گی۔" بے تکا سا خیال ذہن میں آیا مگر پھر خود ہی اپنے خیال کی نفی کر لی۔ "بھلا ان سے سوری کرنے کی کیا تک ہے؟ آخر وہ میرے لگتے ہی کیا ہیں۔"

"چاہے کچھ بھی ہے مگر میں انہیں خفا نہیں دیکھ سکتی۔" سونے سے پہلے یہ آخری خیال تھا جو اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"آئی ایم امپریسڈ یار۔ بندے دونوں ہی کول

digest Novels Lovers group

ہیں۔" صوفیہ نے تبصرہ کیا۔
"زعیم حسن کی بات ذرا الگ ہے۔" نندنی، صوفیہ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسی۔ لیکچر بنک کر کے وہ چاروں کل رات کا واقعہ ڈسکس کر رہی تھیں۔
"خیریت، ماہا بڑی چپ چپ ہے۔" نندنی نے صوفیہ کو آنکھ مارتے ہوئے قریب بیٹھی ماہا کو چھیڑا۔
"لگتا ہے زعیم حسن کے ٹرانس میں ہے ابھی تک۔" صوفیہ نے ٹہوکا دیا۔
"شٹ اپ۔ تم لوگوں کے پاس سوائے اس ٹاپک کے اور کوئی بات نہیں ہے۔" وہ چڑ کر گویا ہوئی۔
"کیا ہوا ماہا؟" میمونہ نے پوچھا۔ ماہا کبھی بھی اس طرح کا رویہ نہیں رکھتی تھی۔ اس کا دل جانے کیوں بھر آیا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ وہ تینوں پریشان سی ہو کر اس کے گرد بیٹھ گئیں۔
"آئم سوری ماہا! ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے۔" صوفیہ نے اس کے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے مگر وہ روتی رہی۔
"کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟" میمونہ کے پوچھنے پر وہ دھیرے دھیرے سر نفی میں ہلانے لگی۔
"دیکھو۔ ہم سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا ہوا ہے؟" نندنی نے چمکارا۔
"میں ان کو خفا نہیں دیکھ سکتی۔"
"کسے؟"
"زعیم حسن کو۔ وہ کل مجھ سے بے حد خفا تھے میں نہیں جانتی کہ مجھے ان کی ناراضگی کی اتنی پروا کیوں ہے۔" روتے روتے اس نے بتایا تھا۔
"ویری سمپل۔ تم ان سے محبت کرنے لگی ہو۔" صوفیہ نے ہاتھ جھاڑے۔ ماہا رونا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔
"میرا خیال ہے صوفیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" نندنی نے بھی اس کی تائید کی۔
"محبت کوئی لمحوں کا کھیل نہیں ہے۔" میمونہ نے اختلاف رائے کیا۔
"آج کل محبت ایسے ہی کی جاتی ہے۔" صوفیہ نے چیونگم کا غبارہ بنایا۔
"محبت زمانوں کی قید سے آزاد ہوتی ہے اور محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔"
"یو آر رائٹ۔ ماہا کو بھی زعیم حسن سے محبت ہو گئی ہے۔" نندنی نے میمونہ کی بات پکڑ لی۔
"نندنی ٹھیک کہہ رہی ہے اگر محبت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی جاتی تو ماہا اپنے سے اتنے بڑے شخص سے محبت کبھی نہ کرتی۔ کیوں ماہا! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" صوفیہ نے اس سے تائید چاہی جو خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔ وہ کیا کہتی محض خاموش نظروں سے باری باری ان تینوں کو دیکھا۔ نندنی اور صوفیہ کا تجزیہ اسے درست لگا تھا۔ میمونہ کی طرف سے اس نے دھیرے سے نظر چرائی تھی۔ اس وقت میمونہ نے کچھ نہیں کہا تھا اور چپکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔
"وہ تم سے حسد کرتی ہے۔" نندنی نے نخوت سے سر جھٹکا۔ اسے میمونہ کبھی اچھی نہ لگی تھی۔ وجہ شاید میمونہ کی اختلاف رائے کی عادت تھی۔ جبکہ ماہا بلا چون و چرا ان دونوں کی بات مان لیا کرتی تھی۔ صوفیہ اور نندنی کافی دیر ماہا کی برین واشنگ کرتی رہیں۔ گفتگو کے اختتام تک اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ واقعی زعیم حسن سے محبت کرتی ہے۔
"ماہا! تم یہ ٹھیک نہیں کر رہی ہو۔" شام میں میمونہ کا فون آیا تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔
"کیا کیا ہے میں نے؟" ماہا کا لہجہ پر اعتماد تھا۔
"انجان مت بنو۔ تم جانتی ہو میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔"
"ٹھیک کہا تم نے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟" ماہا کا لہجہ بدلہ بدلہ ہوا تھا۔ صوفیہ اور نندنی کی برین واشنگ اپنا کام کر چکی تھی۔
"میں نے تمہیں سچے دل سے اپنا دوست مانا ہے اور

ایک مخلص دوست ہونے کے ناتے میں تم سے صرف اتنا کہوں گی کہ آگے بڑھنے سے پہلے سوچ لینا کہ آیا تمہارا یہ اقدام درست ہے یا نہیں۔ نندنی اور صوفیہ کو میں صرف تمہاری وجہ سے برداشت کرتی تھی۔ مجھے تم سے الگ ہونے کا افسوس ہے مگر میں ہمیشہ تمہیں اپنا دوست سمجھتی رہوں گی۔ خدا حافظ اپنا خیال رکھنا۔" وہ صاف گو لڑکی تھی۔ جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا۔ ایک لمحے کو ماہا کا دل گداز ہوا مگر اگلے ہی لمحے صوفیہ اور نندنی کی باتیں ذہن و دل میں گردش کرنے لگیں۔

"وہ تم سے حسد کرتی ہے۔"

"شاید وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتی کہ زعیم حسن جیسے شاندار شخص کو تمہارے ساتھ دیکھ سکے۔"

"صوفیہ اور نندنی ٹھیک کہتی ہیں۔ میں واقعی زعیم حسن سے محبت کرنے لگی ہوں۔" آخری سوچ آتے ہی لبوں پر خود بخود مسکراہٹ دوڑ گئی۔

❁❁❁

اکا جان کے چند مہمان دوسرے شہر سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا تھا۔ اس لیے گھر میں ایک ہڑبونگ سی مچی تھی۔ نفیسہ بیگم برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھے بیٹھے سکینہ بوا کو ہدایات دے رہی تھیں۔ ساجی سل بٹے پر بڑی تندہی سے مصالحے پیسنے میں مصروف تھا۔ ثنا' ہما کی کالج سے چھٹیاں تھیں اس لیے وہ بھی ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ رمنا سامنے ہی بیٹھی اپنے ناخنوں کو فائل کر رہی تھی۔ اپنے سامنے میگزینز کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ نفیسہ بیگم کی ڈانٹ پھٹکار بھی اس پر کوئی اثر نہ کر رہی تھی جو وہ اس کے پھوہڑ پنے پر کر رہی تھیں۔ تبھی علی اندر چلا آیا۔

"لیجیے اماں! سب سامان آ گیا ہے۔" ڈھیروں شاپر تخت پر رکھے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ جب سے رمنا سے بات ہوئی تھی۔ وہ بہت کم گو اور الگ تھلگ ہو گیا تھا۔ بولتا تو وہ پہلے بھی بہت کم تھا مگر اب تو کسی کے مخاطب کرنے پر ہی بولتا تھا۔

"رمنا! ارے رمنا! یہ سب سامان ذرا باورچی خانے میں رکھوا دے۔" نفیسہ بیگم کی پکار پر ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ اسے آتا دیکھ کر علی پیچھے ہٹا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟ یہ سب سامان کون اٹھائے گا؟" لہجے میں اتنی حقارت تھی کہ علی کا خون کھول اٹھا۔ اسے اب ساجی اور علی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ وہ دانت پر دانت جماتا شاپر اٹھا کر کچن کی طرف چلا گیا۔ پیچھے پیچھے رمنا داخل ہوئی۔

"تم نے ابھی تک اکا جان سے بات کیوں نہیں کی؟" وہ باہر نکلنے لگا جب رمنا کی دھیمی مگر سخت آواز سنائی دی۔ وہ ایک نظر رمنا پر ڈال کر بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔ رمنا محض دانت پیس کر رہ گئی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" ہارون کی آواز سنائی دی تو وہ اپنے چہرے کے تاثرات نارمل کرتی باہر چلی آئی۔

"اکا جان کے مہمان آ رہے ہیں۔" ثناء نے اطلاع دی۔ وہ فروٹ باسکٹ میں سے سیب اٹھا کر کھانے لگا۔

"تم سناؤ علی! کہاں ہوتے ہو یار نظر ہی نہیں آتے۔" نفیسہ بیگم کو حساب کتاب سمجھاتے علی سے مخاطب ہوا۔

"یہیں تو ہوتا ہوں۔" لہجہ دھیما تھا۔ ہارون اس سے آٹھ نو برس بڑا تھا۔ اس کا لہجہ خود بخود مؤدب ہو جاتا تھا۔

"بعض لوگ تو یہاں ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتے۔" ہارون کی رمنا پر پڑنے والی پرشوق نگاہ علی سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ یقیناً وہ رمنا سے نظر نہ آنے کا شکوہ کر رہا تھا۔ جواباً رمنا نے ایک ادا سے مسکراہٹ پاس کی تھی۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پایا اور نظر چرا کر باہر نکل گیا۔ ہارون اور رمنا کا بڑھتا ہوا التفات اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا۔ وہ خود بھی اب رمنا کا طالب نہ تھا مگر اکا جان سے بات کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ مر کر بھی اپنے منہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دو بار ہمت کر کے اکا جان سے بات کرنا چاہی مگر ان کے سامنے جاتے ہی جیسے گونگا ہو جاتا۔ الفاظ گڈمڈ ہونے لگتے اور وہ پلٹ آتا۔

"آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم نے اب تک

انکا جان سے بات کیوں نہیں کی؟'' اس روز وہ پھنکارتی ہوئی اس کے سر پر چڑھ دوڑی تھی۔

''میں انکار نہیں کرسکتا۔'' اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

''کیا کیا کہا تم نے؟''

''رمنا بی بی! اگر آپ کو انکار کرنا ہے تو خود کردیں۔ میں انکا جان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ اب پلیز آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔'' اس کے لہجے میں اتنی بے گانگی تھی کہ رمنا کو اپنی شدید انسلٹ محسوس ہوئی۔

''تم کیا سمجھتے ہو انکا جان سے انکار نہ کرکے تم مجھے پالو گے اگر ایسا ہے تو تم بہت بڑی غلط فہمی بلکہ خوش فہمی کا شکار ہو۔ تم نے مجھے چیلنج کرکے اچھا نہیں کیا۔ اب دیکھنا رمنا حشمت جاہ تمہارا کیا حشر کرتی ہے۔'' زہریلی ناگن کی طرح پھنکارتی وہ واپس پلٹ گئی۔ علی کو اپنا وجود بے حد کریہہ لگا جو رمنا جیسی لڑکی سے محبت کر بیٹھا تھا۔ اتنا نادان تھا میرا دل کہ محبت اور دھوکے میں فرق ہی نہ جان پایا۔ اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ اتنی کرچیاں بکھری تھیں جن کی چبھن اسے چین سے سونے بھی نہ دیتی تھی۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور بالکل چپ سادھ لی۔ رمنا کی طرف سے بھی مکمل خاموشی تھی۔ اس دن کے بعد سے وہ دوبارہ اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ اس خاموشی کے پیچھے کوئی اسرار چھپا ہے۔ مگر کیا وہ یہ سب سوچنا بھی نہ چاہتا تھا۔

❁❁❁

اس نے بہت ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا۔

''مے آئی کم ان سر!'' آواز میں لرزش واضح تھی۔

''آیئے مس ماہا! میں آپ ہی کا انتظار کررہا تھا۔'' مقابل کے انداز پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔ وہ سرد مہری، وہ بیگانگی، وہ لاتعلق سا انداز سب غائب تھا۔ سامنے موجود شخص کے لبوں پر دھیما سا تبسم تھا۔

''بیٹھیے۔'' اسے بیٹھنے کا اشارہ کرکے وہ چیئر کی بیک پر سر ٹکا کر ایزی ہوکر بیٹھ گیا۔ ماہا کے لیے یہ سب بالکل نیا تھا۔ وہ تو خود کو ذہنی طور پر زعیم حسن کی ڈانٹ سننے کے لیے تیار کرکے آئی تھی۔ زعیم حسن کی کتاب لائبریری میں رہ گئی تھی جو اتفاقاً صوفیہ وغیرہ کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ صوفیہ وغیرہ کے اکسانے پر اس نے دو کارڈز اس میں رکھے تھے۔ ایک سوری کا اور دوسرا فرینڈ شپ کا۔ دوسرے دن وہ کتاب وہیں رکھ دی۔ جہاں سے اٹھائی تھی۔ اس دن وہ سارا وقت مضطرب سی رہی۔ کالج ٹائم ختم ہونے والا تھا مگر زعیم حسن کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ آخری پیریڈ چل رہا تھا جب اسے زعیم حسن نے اپنے آفس میں طلب کیا۔ وہ جل تو جلال تو کا ورد کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی مگر زعیم حسن کا رویہ دیکھ کر ابھی تک حیرت زدہ سی بیٹھی تھی۔

''میں آپ سے صرف دو باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔'' وہ رک کر اسے دیکھنے لگا جو لب کاٹتے ہوئے بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔ ''یہ دو کارڈز..... ایک سوری کا دوسرا فرینڈ شپ کا۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ مجھے یہ کارڈز دینے کا مقصد کیا ہے؟'' لہجہ نارمل تھا مگر الفاظ برف سے زیادہ ٹھنڈے تھے۔

''وہ سر..... وہ.....'' وہ اٹکی۔

''بی بریو ماہا! تم صرف یہ سوچنا کہ تم ان سے محبت کرتی ہو۔'' صوفیہ اور نندنی کی بات یاد آئی تو وہ کچھ ایزی ہوکر بیٹھ گئی۔

''سوری اس لیے کہ آپ نے مجھے رات گئے تک باہر رہنے سے منع کیا تھا مگر میں نے آپ کی بات نہ مانی اور فرینڈ شپ کارڈ کا مطلب تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔'' زعیم حسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بے خوفی سے بولتی چلی گئی۔ اپنی اس جرأت پر وہ خود بھی حیران تھی۔ نچلا لب دانتوں میں دبا کر زعیم حسن نے اسے دیکھا تھا۔ وہ گڑبڑا کر نظریں جھکا گئی۔

''آپ جانتی ہیں کہ میں عمر میں آپ سے کتنا بڑا ہوں؟''

''دوستی عمروں کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔'' لفظ محبت اس کے لبوں پر آتے آتے رک گیا۔

''آپ مجھ سے دوستی کیوں کرنا چاہتی ہیں؟'' وہ خاصے محظوظ کن انداز میں سوال کررہا تھا۔

''کیونکہ آ..... آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔'' اپنی اس اٹھارہ سالہ زندگی میں وہ پہلی بار کسی مرد سے اس طرح کی گفتگو کررہی تھی۔ اف! اگر مما کو پتا چل جائے تو..... سوچ کی پرواز بدلی تو وہ پریشان سی ہوگئی۔ چند لمحے کی خود اعتمادی ہوا ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ 'آپ' مجھے اچھی نہ لگتی ہوں۔'' عنابی لب متبسم تھے۔ ماہا کی آنکھوں میں یکلخت ویرانیوں نے ڈیرا ڈالا تھا۔

''جسٹ کڈنگ۔'' زعیم حسن نے اس کی پریشانی اور مایوسی کو کم کیا۔ ''میں آپ کو اچھا لگتا ہوں حالانکہ جہاں تک میری یاداشت کام کرتی ہے۔ ہماری کوئی بھی ملاقات خوشگوار نہیں تھی۔''

''یا اللہ میں کہاں پھنس گئی۔ یہ آج انہیں کیا ہوا ہے؟'' دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔

''آپ نے جواب نہیں دیا ماہا درانی۔'' زعیم حسن کی آواز پر وہ چونکی۔ ''کمال ہے اتنی دیر سے میں ہی بول رہا ہوں۔ آپ بھی تو کچھ کہیں۔''

''مم..... میں جاؤں سر۔'' الفاظ حلق میں اٹک گئے تھے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماہا!'' زعیم حسن کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

''کیا تم مجھ سے دوستی کروگی؟'' وہ اس کے مقابل کھڑا تھا اور دایاں ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔ ماہا منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بنا پلکیں جھپکے سامنے کھڑے شخص کے اس نئے روپ کو دیکھ رہی تھی۔ زعیم حسن کے لبوں پر مسکراہٹ کچھ گہری ہوگئی تھی اور تب ماہا نے بھی اپنا دایاں ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھمایا۔

''تھینک یو۔'' اس نے زعیم حسن کو کہتے سنا تھا اور پھر دل کو سنبھالتی وہ باہر نکل گئی۔ زعیم حسن کے مسکراتے لب بھینچ گئے اور وہ پلٹ کر دوبارہ اپنی سیٹ پر جا بیٹھا جبکہ باہر صوفیہ اور نندنی اپنی حیرت کا اظہار کرتیں اس سے ٹریٹ کا مطالبہ کررہی تھیں۔

''دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ وہ بھی تم سے محبت کرتے ہیں۔'' صوفیہ نے یاد دلایا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ پہلی بار لبوں نے اس طرح مسکرانا سیکھا تھا اور پہلی بار اس کا دل اس انوکھی لے پر دھڑک رہا تھا۔ اس روز مما کا فون آیا تو خلاف معمول وہ بہت چہک رہی تھی۔ مما نے بھی اس کی خوشی کی وجہ پوچھی تو وہ ٹال گئی۔ اور تو اور صبا چچی نے بھی اس کی خوشی کی وجہ پوچھی تو وہ حیران سی رہ گئی۔ کیا میرے چہرے پر لکھا ہے کہ میں آج بہت خوش ہوں۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ جانے کتنی ہی دیر خود کو دیکھتی رہی پھر خود ہی جھینپ کر سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ ساری زندگی صرف دو عورتوں کے ساتھ رہی تھی۔ مما اور بوا جی۔ اے لیولز تک اس نے گرلز کالج میں پڑھا تھا۔ ایک ماموں تھے جن سے کبھی کبھار ہی ملنا ہوتا تھا۔ مما کسی کے گھر آنا جانا زیادہ پسند نہیں کرتی تھیں اس لیے ان کے گھر بھی کوئی نہیں آتا تھا۔ چاچو سے وہ یہیں ملی تھی۔ چاچو صرف ایک آدھ بار ہی پاکستان آئے تھے جب وہ صرف آٹھ نو برس کی تھی۔ ددھیال میں اور کوئی نہ تھا۔ ایک پھوپھو تھیں مگر مما ان سے ملنا پسند نہیں کرتی تھیں وہ ان سے کبھی بھی نہیں ملی تھی۔ صرف بوا جی کی زبانی سب کے بارے میں سنا تھا۔ مما کی دو بہنیں تھیں جو دونوں ہی ملک سے باہر تھیں۔ ایک آسٹریلیا میں تھیں جبکہ دوسری کویت میں رہتی تھیں۔ مما نے ہمیشہ اس کے ساتھ بہت سرد سا رویہ رکھا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتی تھیں ماہا کے کہیں آنے جانے پر وہ نظر رکھتی تھیں اور جہاں مناسب نہ سمجھتیں نہیں بھیجتی تھیں۔ اتنی لگی بندھی روٹین سے وہ ایک دم بالکل آزاد ماحول میں آئی تو بھی ہر لمحہ مما کا خوف سر پر سوار رہتا۔ مگر چاچو اور صبا چچی کے بے پروا انداز اور سونے پر سہاگہ صوفیہ اور نندنی جیسی فرینڈز نے اس کے اندر کی بے خوف لڑکی کو جگا دیا تھا۔ پہلے وہ ہر کام میں مما کی محتاج ہوا کرتی تھی اور اب خود بخود وہ ہر مسئلے

کے لیے زعیم حسن کی طرف دیکھنے لگی۔ زعیم کالج میں اس سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا مگر پھر بھی ماہا کا چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ خود حل کر دیا کرتا تھا۔ ماہا صرف اسی میں خوش تھی کہ زعیم اس کی ہر بات توجہ سے سنتا ہے۔ اس نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی نہ کی تھی کہ وہ شخص جو کبھی اسے دیکھتے ہی چہرے پر ناگواری اور سرد مہری لے آتا تھا یکا یک کیسے بدل گیا تھا۔ وہ اس پر اتنا مہربان کیوں تھا۔ اس نے کبھی اس بارے میں سوچا تک نہ تھا۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ گزرتے وقت کے ساتھ اس کے دل میں زعیم حسن کی محبت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کا اور زعیم حسن کا تعلق کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ زعیم سے محبت کرتی تھی۔ یہ بات اس کے علاوہ صرف صوفیہ اور نندنی کو معلوم تھی جبکہ لوگوں کی نظر میں وہ استاد اور شاگرد تھے۔ ممکن ہے ان کے اس تعلق کو کوئی اس لیے بھی قابل گرفت نہ سمجھتا ہو کیونکہ وہ دونوں ہم وطن تھے۔ اور جس ملک میں وہ رہتے تھے وہاں کسی کے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ کسی دوسرے کے بارے میں سوچ سکے۔ جیو اور جینے دو کا فارمولا بڑی کامیابی سے استعمال ہو رہا تھا۔

اس روز نندنی کی طبیعت خراب تھی اور صوفیہ چند دنوں کے لیے ترکی گئی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ اکیلی تھی۔ آخری لیکچر فری تھا اس لیے وہ جلدی فارغ ہو گئی تھی۔ تبھی میمونہ اس کے پاس چلی آئی۔

"ہیلو۔ کیسی ہو؟"

"فائن۔ تم کیسی ہو؟" دونوں میں پہلے جیسی بے تکلفی نہ رہی تھی۔ آج اتنے عرصے بعد وہ بات کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہوں۔" چند ثانیے دونوں کے درمیان خاموشی رہ گئی۔ "میں واپس قاہرہ جا رہی ہوں۔"

"کیوں؟ تمہیں تو ماسٹرز کے بعد جانا تھا۔" ماہا کو حیرانی ہوئی تھی۔

"میرے پاپا چاہتے ہیں کہ میں وہیں رہ کر پڑھوں۔ میں دادی کی حمایت پر یہاں چلی آئی تھی مگر اب تو دادی بھی نہیں ہیں۔" ایک لمحے کو میمونہ رکی۔ "جانے سے پہلے میں تم سے آخری بار ملنا چاہتی تھی۔ مجھے نہیں پتا کہ تم جو کر رہی ہو وہ ٹھیک ہے یا غلط مگر مجھے ایک بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ تم جیسی لڑکی صوفیہ اور نندنی کی باتوں میں آ کر....."

"ایک منٹ میمونہ۔" ماہا نے اس کی بات کاٹی۔ "مجھے پتا ہے کہ میں جو کر رہی ہوں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ سب محبت کرتے ہیں اور اگر میں نے زعیم حسن کو چاہا تو کوئی گناہ تو نہیں کیا۔"

"تم سمجھ نہیں رہیں۔ محبت کرنا گناہ نہیں ہے مگر اس طرح خود سے کسی کی طرف بڑھنا....."

"وہ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" ماہا نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ میمونہ یکلخت خاموش ہو گئی۔

"انہوں نے تم سے خود کہا ہے؟"

"کہا تو نہیں مگر مجھے معلوم ہے۔"

"خدا کرے تم جیسا چاہتی ہو تمہیں ملے۔ پھر بھی زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔" میمونہ کے جانے کے بعد وہ کافی دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔ چونکی تو تب جب اچانک ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور پھر موسم بھی سرد تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ بادل خوب ٹوٹ کر برسے تھے۔ پانی کی جل تھل میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ پوائنٹ بھی مس ہو گیا تھا اور وہ بے یار و مددگار سی کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ آن کی آن میں سڑکیں خالی ہو گئی تھیں۔ وہ روہانسی ہو گئی۔ تبھی میٹلک گرے سوک اس کے قریب آ کر رکی تھی۔

"آئیں ماہا! میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" زعیم حسن بھی اب کالج سے فارغ ہو کر گھر جا رہے تھے۔ ماہا خدا کا شکر ادا کرتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ کپڑے بالکل بھیگ گئے تھے۔ وہ مسلسل کانپ رہی تھی۔ زعیم نے ہیٹر آن کر دیا تھا۔

"آج آپ کی فرینڈز نہیں آئیں؟" زعیم کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔ بارش بہت

زوروں کی تھی۔ ماہا کے گھر والی سڑک پر بڑا سا درخت گرا پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے راستہ بلاک تھا۔

"آپ مجھے یہیں اتار دیں۔ میں پیدل چلی جاؤں گی۔"

"اتنی تیز بارش ہو رہی ہے اور آپ کا گھر بھی یہاں سے کافی فاصلے پر ہے۔"

"میں چلی جاؤں گی سر! آپ فکر نہ کریں۔"

"میں فکر کیسے نہ کروں۔" لہجہ عام سا تھا مگر الفاظ بہت خاص تھے۔ ماہا نے ایک لمحے زعیم کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔

"چلیں آج آپ میرے گھر پر چلیں۔ میں آپ کو اپنے ہاتھ سے بنا پاستا کھلاتا ہوں۔ میری پینٹنگز کی ایگزیبیشن میں چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ میں آپ کو اپنی پینٹنگز بھی دکھاؤں گا۔" آج پہلی بار زعیم حسن نے اسے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی تھی جو ماہا نے جھجکتے مان لی تھی۔ گھر پہنچتے پہنچتے ماہا کا چھینک چھینک کر برا حال گیا تھا۔ بارش نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔

"آپ فٹافٹ کپڑے چینج کریں میں اتنے میں کھانا تیار کرتا ہوں۔" بلیو جینز اور سفید کرتا اسے تھما کر وہ خود کچن کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ لمبی سی جینز کو فولڈ کر کے اسے اپنے سائز کا بنایا۔ ڈھیلا ڈھالا کرتا اس کے گھٹنوں تک آ گیا تھا۔ وہ باہر آئی تو زعیم آتش دان میں لکڑیاں سلگا رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو مسلتی وہیں بیٹھ گئی۔ ابھی بھی وہ کانپ رہی تھی۔ بڑے غیر محسوس سے انداز میں زعیم حسن نے بھاری مردانہ شال اس کے شانوں پر ڈالی تھی۔ اپنے کندھوں پر اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے وہ چونکی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ پیچھے ہٹ گیا۔ ماہا نے شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لی۔

"بھوک لگی ہے؟" زعیم کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "صرف پانچ منٹ میں بس ابھی آیا۔" اور ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ چینج کر کے پلیٹوں میں پاستا نکال رہا تھا۔ وہ اس کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ ماہا اس کے سامنے کھاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"کیا پاستا بہت برا بنا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر آپ کھا کیوں نہیں رہیں۔"

"کھا تو رہی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"دیکھیں ماہا! اگر آپ میری وجہ سے جھجک رہی ہیں تو میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ آپ آرام سے کھانا کھا لیں۔"

"نو..... نو سر! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"شیور؟" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں کافی بناؤں؟" کھانے کے بعد ماہا نے پوچھا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ویسے آپ کو کافی بنانا آتی ہے؟" لہجے میں شگفتگی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں آپ کو اتنی پھوہڑ نظر آتی ہوں۔" وہ ٹھنکی تو زعیم دھیرے سے مسکرا دیا۔ زعیم ایزل پر جھکا اپنی پینٹنگ مکمل کرنے میں مصروف تھا جب وہ کافی کے مگ لیے چلی آئی۔

"تھینکس۔" کافی کا مگ تھامتے ہوئے اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی۔ وہ وہیں بیٹھ کر زعیم کی پینٹنگ کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ بالکل محو ہو کر کام کر رہا تھا۔ اردگرد کا بالکل ہوش نہ تھا۔ چند ثانیے اسے دیکھنے کے بعد وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

"سر! آپ اتنی اچھی پینٹنگز کیسے تخلیق کر لیتے ہیں؟" ماہا کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔ نظریں اسی پینٹنگ پر جمی تھیں جو ایزل پر دھری تھی۔

"ایک مصور کے لیے سب سے اہم چیز رنگوں کی زبان سمجھنا ہوتا ہے۔"

"رنگوں کی زبان؟" وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

"ہاں رنگوں کی بھی زبان ہوتی ہے۔ الگ اور منفرد زبان۔ جب یہ زبان سمجھ میں آ جاتی ہے تو مصور خود بخود رنگوں سے کھیلنے لگتا ہے۔ اگرچہ رنگوں کا کھیل قدرے پیچیدہ ہوتا ہے مگر بہت دلچسپ ہوتا ہے۔" مختلف اسٹروکس لگاتے ہوئے وہ بول رہا تھا اور ماہا پوری دلچسپی

سے اسے سن رہی تھی۔ ''آپ کو دلچسپی ہے رنگوں سے؟''
وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔
''پہلے تو نہیں تھی مگر اب.....'' وہ ایک لمحے کو رکی۔
''مگر اب کیا؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ گڑبڑا کر نظریں جھکا گئی۔ زعیم حسن کی نظروں کی تپش سے وہ پگھلنے لگتی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ زعیم حسن کی نظروں کی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ اس معاملے میں عورت بے حد حساس ہوتی ہے۔ نظریں پہچاننے کا فن شاید ایک لڑکی سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا۔ زعیم حسن منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا مگر اس کی نگاہیں بولتی تھیں جو ماہا کو نظریں جھکانے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ اب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا وہ پلٹ کر گلاس ونڈو کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ بارش ابھی بھی ہو رہی تھی۔ ماہا کو یوں لگا جوں جوں اندھیرا پھیل رہا تھا۔ بارش کا زور بھی بڑھ رہا تھا۔ شام کے پانچ بجنے والے تھے مگر ہر طرف اندھیرا سا چھا گیا تھا۔
''بارش کا حسن دیکھنے میں جتنا ہے اس سے کہیں بڑھ کر اس کا لطف چھو کر محسوس کرنے میں ہے۔''
سانسوں کی تپش گردن پر محسوس ہوئی تو وہ چونک کر پلٹی۔ محض چند انچ کا فاصلہ تھا۔ سر اس کے سینے سے ٹکرا گیا۔ زعیم نے ہاتھ بڑھا کر گلاس ونڈو کھول دی۔ سرد ہوا کا جھونکا اور بارش کے قطرے بیک وقت حملہ آور ہوئے تھے۔ غیر ارادی طور پر ماہا اس کے قریب ہو گئی تھی۔
''اتنی ڈرپوک ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔
''مجھے بارش سے ڈر لگتا ہے۔'' زعیم نے گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ ماہا اس کے اس طرح دیکھنے پر کچھ گھبرا گئی۔
''میرے ہوتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا ہے۔'' ماہا کا دل انوکھی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ شاید بجلی زور سے چمکی تھی۔ بادل گرجے تو وہ ڈر کر اسی وجود میں پناہ لے بیٹھی۔ بالکل بے اختیاری میں وہ یہ کر بیٹھی تھی۔ زعیم نے شانوں سے تھام کر اسے خود سے الگ کیا تھا۔ لمحوں کا فسوں ختم ہوا تو وہ ہوش میں آئی۔
''مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ اتنی ڈرپوک ہیں۔'' ہاتھ بڑھا کر گلاس سلائیڈ بند کر دی۔ وہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ کتنی ہی دیر اضطراری کیفیت میں ناخن چباتی رہی۔
''بارش کب رکے گی؟'' چند لمحے پہلے کی کیفیت کو زائل کرنے کے لیے اس نے پوچھا۔
''اگر میرا تعلق محکمہ موسمیات سے ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا۔'' زعیم کی بات پر وہ جھینپ گئی۔
''اگر بارش نہ رکی تو میں گھر کیسے جاؤں گی؟''
''فکر نہ کریں بارش تھم جائے گی۔''
''سر! آپ نے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''
''کچھ بتانے کو ہو تو بتاؤں۔''
''آپ کے پیرنٹس، بہن بھائی.....''
''میں بہت چھوٹا تھا جب میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو گئی۔ بہن بھائی کوئی تھا نہیں۔ آج میں جو کچھ ہوں اپنے زور بازو پر ہوں۔''
''آپ نے..... ابھی تک شادی کیوں نہیں کی حالانکہ پورے کالج میں آپ موسٹ ایلیجبل بیچلر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔''
''بس تھی کوئی وجہ۔ ایک بار کسی کو چاہا تھا مگر.....''
''کیا وہ بہت خوب صورت تھیں؟'' ماہا کے لہجے میں حسد واضح نظر آ رہا تھا۔
''ہاں مگر آپ سے زیادہ نہیں۔'' زعیم کے کہنے پر ماہا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''ویسے حسن تو دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔'' وہ فوراً ہی پہلی بات کا اثر زائل کر دیا کرتا تھا۔
''کہتے ہیں ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔''
''کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں ایک کامیاب مرد ہوں۔'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا تو وہ ایک دم لاجواب سی ہو گئی۔
''اچھا عہدہ، اچھی پرسنالٹی، عزت، دولت اگر تم اسی کو کامیابی کہتی ہو تو ہاں میں کامیاب شخص ہوں اور واقعی میری کامیابی کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہے۔'' بات

digest Novels Lovers group

کرتے کرتے اس کی آنکھیں لہو رنگ ہوگئی تھیں۔ ماہا کو آج عرصے بعد ان آنکھوں سے وہی خوف محسوس ہوا تھا جیسے پہلے ہوتا تھا۔

"آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ آپ کے فادر کی ڈیتھ ہوچکی ہے۔"

"جی۔ میں اس وقت صرف ایک سال کی تھی۔"

"دادا، نانا وغیرہ....."

"بدقسمتی سے دونوں کا پیار میں نہیں پاسکی۔ مما زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔ وہ مصروف بھی تو اتنا رہتی ہیں۔ نانا اور دادا دونوں کا انتقال ہوچکا ہے۔"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"سر ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں۔"

"آپ اتنے سنجیدہ سنجیدہ سے کیوں رہتے ہیں۔"

"اب اس بات کا میں آپ کو کیا جواب دوں ماہا! میں نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ تنہا گزارا ہے۔ میرا خیال ہے اتنا عرصہ تنہا رہنے کے بعد مزاج میں سنجیدگی اور کسی حد تک سختی آجانا ایک فطری عمل ہے۔ حسیب اور میں تقریباً ہم عمر ہی ہیں مگر اس کے اور میرے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے مگر پھر بھی ہم دوست ہیں اور آپ بھی تو میری دوست ہیں۔" وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔ بارش تھم چکی تھی۔ ماہا جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت دیر ہوگئی ہے۔ میں چلوں اب۔"

"چلو میں چھوڑ آتا ہوں۔"

"اٹس اوکے۔ میں ٹیکسی لے لوں گی۔"

"آپ کو میں یہاں لایا تھا اور یہ اب میری ذمہ داری ہے کہ آپ کو بحفاظت آپ کے گھر پہنچا کر آؤں۔" وہ سینٹر ٹیبل سے چابیاں اور والٹ اٹھاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہا نے اس کی ہمراہی میں باہر قدم بڑھا دیے۔ سڑکیں دھل کر صاف ہوچکی تھیں۔ روشنیوں میں گیلی گیلی سڑکیں اور بھی زیادہ چمک رہی تھیں۔ کاروبار زندگی رواں دواں تھا۔

"کاش! یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔" زعیم حسن کو چپکے سے دیکھتے ہوئے دل نے خواہش کی تھی۔ نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے وہ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ چند گھنٹے قبل یہ شخص ایک انجان لڑکی سے کتنی بے تکلفی سے گفتگو کررہا تھا۔ "اللہ! زندگی کے ہر سفر میں صرف اس شخص کو میرا ہم سفر بنانا۔" دل نے دعا کی تو بہت آہستگی سے اس نے لب ہلا کر آمین کہا تھا۔

❁❁❁

آنسہ کے لیے رشتہ آیا تھا جو ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ لڑکا بہت اچھا تھا۔ شریف لوگ تھے۔ رفاقت جاہ اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے رشتہ طے کردیا۔ لڑکا ملک سے باہر رہتا تھا اس لیے وہ لوگ ایک ماہ کے اندر اندر شادی کرنا چاہ رہے تھے۔ طیبہ چچی چاہتی تھیں کہ آنسہ کے ساتھ ساتھ ہارون کی بھی شادی کر دیں۔ ہارون نے رمنا کا نام لیا تو وہ ایک لمحے کو چپ سی ہوگئیں۔

"کیا ہوا امی! رمنا کیا آپ کو پسند نہیں ہے؟"

"بات پسند کی نہیں۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ گھر کی لڑکی ہے مگر بھائی صاحب نے رمنا کا رشتہ پہلے ہی طے کردیا ہے۔"

"واٹ؟ مگر کہاں؟ رمنا نے تو مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"ہوسکتا ہے وہ لاعلم ہو کیونکہ بات ابھی بڑوں کے درمیان ہے۔"

"مگر اگا جان نے کس سے رشتہ طے کیا ہے؟"

"علی سے۔"

"کیا یہ اپنا علی۔ یہ تو رمنا سے بہت چھوٹا ہے پھر اس کا مستقبل..... آخر اگا جان نے کیا دیکھ کر یہ رشتہ جوڑا ہے۔"

"بھائی صاحب کی باتیں آج تک میری سمجھ میں تو نہیں آسکیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا امی! آپ ابا جان کے پاس میرا رشتہ لے کر جائیں۔"

"باؤلے ہوئے ہو کیا؟ تمہیں علم ہے کہ بھائی صاحب کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔"

"کچھ بھی ہو امی! علی مجھ سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتا نا۔ میں ان کا سگا بھتیجا ہوں۔ آپ بات تو کر کے دیکھیں۔" وہ بضد تھا۔ طیبہ کو مجبوراً بیٹے کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ رفاقت جاہ اور طیبہ خاتون خود چل کر حشمت جاہ کے پاس گئے تھے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ رمنا کی شادی علی سے ہی کریں گے اگر ہمایا ثناء کی بات ہو تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ رمنا نے سنا تو کلس کر رہ گئی۔ ہارون الگ اس سے خفا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ گھر بھر میں آنسہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ بازاروں کے چکر پہ چکر لگ رہے تھے۔ گھر مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ دوسرے شہروں میں رہنے والے عزیز رشتہ دار ہفتہ بھر پہلے سے ہی پہنچ گئے تھے۔ ان دنوں علی بالکل گھن چکر بنا ہوا تھا۔ ٹیوشنز کے لیے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اندر باہر کے سب کام اسی کے ذمے تھے۔ کاشف اور نعمان بھی ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اس شام کو مایوں کا فنکشن تھا۔ رات گئے تک تقریب جاری رہی۔ تھک ہار کر وہ ابھی لوٹا ہی تھا کہ نفیسہ بیگم کا بلاوہ آ گیا۔ حساب کتاب میں کچھ گڑبڑ تھی۔ علی نے سب ٹھیک کیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ فارغ ہوا تھا۔ اتنے میں سکینہ بوا اس کے لیے گرم دودھ لیے چلی آئیں۔ وہ اکثر اس کے لیے فکرمند رہا کرتی تھیں۔ دودھ پی کر وہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تھکن اتنی تھی کہ وہ تکیے پر سر رکھتے ہی غافل ہو گیا تھا۔ صبح اس کی آنکھ کسی کے چلانے پر کھلی تھی سامنے دیکھا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ دیوار کے ساتھ لگی وہ لڑکی آنکھیں بند کیے چلا رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ کچھ سمجھ ہی نہ پایا۔ اس لڑکی کا دوپٹہ علی کے بستر پر پڑا تھا۔ ایک جست میں وہ اٹھ کر اس کے پاس پہنچا تھا۔

"شش۔ کون ہو تم؟" اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ مضبوطی سے جماتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ گھر میں مہمان تھے اور اس لڑکی کے چلانے پر تماشا بن سکتا تھا۔

"علی!" ابا جان کی گرجدار آواز پر وہ لرز کر پلٹا تھا۔ دروازے پر ان کے علاوہ نفیسہ بیگم ہارون اور رفاقت جاہ بھی موجود تھے۔ لڑکی کے بال کھل کر بکھر گئے تھے۔ دوپٹہ ندا اور مستزاد علی نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ مجرم نہیں تھا مگر پھر بھی مجرم ثابت ہو گیا تھا۔

"تو اس حد تک گر جائے گا۔ ایسا تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔" حشمت جاہ کی آواز مارے غصے کے کانپ رہی تھی۔

"نہیں ابا جان میں تو....."

"مت کہہ ہمیں ابا جان ہمیں تو خبر ہی نہ تھی کہ ہم اتنے عرصے سے سنپولیے کو دودھ پلاتے رہے ہیں۔"

"میرا یقین کریں میں نہیں جانتا کہ یہ لڑکی کون ہے اور یہاں کیسے آئی؟"

"بے وقوف سمجھ رکھا ہے ہمیں۔ ایک لڑکی ساری رات تمہارے ساتھ تمہارے کمرے میں رہی اور تمہیں علم ہی نہیں ہے۔" ہارون پھنکارا۔

"یہ لڑکی..... ارے یہ تو کنیز بی بی کی نواسی ہے۔" طیبہ چچی نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا۔ کنیز بی بی ان کی رشتے میں خالہ لگتی تھیں۔ یتیم نواسی کو انہوں نے ہی پالا تھا۔ اس کا نام زہرا تھا۔ وہ پیدائشی گونگی اور بہری تھی۔ اس وقت بھی وہ سر جھکائے روئے چلی جا رہی تھی۔ طیبہ چچی نے اس کے سر پر دوپٹہ اوڑھایا اور اسے وہاں سے لے گئیں۔

"خدا کے لیے آپ لوگ میرا یقین کریں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے قصور ہوں۔" وہ گڑگڑایا تو ہارون نے ایک زوردار تھپڑ اسے دے مارا۔

"ابا جان! نکال باہر کریں اس بے غیرت کو۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہے ہارون اس سے پہلے کہ سب مہمان جاگ جائیں دفع کریں اس کو۔"

"ہمارے گھروں میں بھی بیٹیاں ہیں۔ شکر کریں اس نامراد نے انہیں....."

''خدا کے لیے اماں! مجھ پر اتنا گھٹیا الزام نہ لگائیں اتنا بے غیرت اور کمینہ نہیں ہوں میں کہ جس تھالی میں کھاؤں اسی میں چھید کروں۔''

''اسی لیے تو اس کمینے نے اپنی ہوس مٹانے کے لیے اس بے چاری معذور لڑکی کو پھنسایا ہے۔'' ہارون تو گویا انگارے چبا رہا تھا۔

''آکا جان! آپ تو مجھے جانتے ہیں۔ آپ.....''

''ہارون! اس سے پہلے کہ ہم کچھ کر بیٹھیں اس حرام خور سے کہو کہ اپنا سامان اٹھائے اور یہاں سے دفع ہو جائے۔'' حشمت جاہ اس کی بات سنے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ رفاقت جاہ اور نفیسہ بیگم کی نظروں میں بھی حقارت تھی۔

''میں دوبارہ آؤں تو تم مجھے یہاں نظر نہ آؤ۔'' ہارون یہ کہتا واپس پلٹ گیا۔ یہ سب کیا ہوا گیا تھا۔ علی کو کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

❁❁❁

زعیم حسن کی پینٹنگز کی نمائش کامیابی کے ساتھ جاری تھی۔ یہ اس کی دوسری ایگزیبشن تھی اور پہلی والی سے زیادہ کامیاب ہوئی تھی۔ لوگ اس کے کام کو بہت پسند کر رہے تھے۔ میڈیا میں اس کے کام کو سراہا جا رہا تھا۔ ماہا بھی نندنی اور صوفیہ کے ہمراہ نمائش دیکھنے گئی تھی۔

''مائی لٹل فرینڈ! کیسی ہو بھئی۔'' حسیب رضا اپنے ازلی انداز میں اس سے مخاطب تھا۔

''ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟''

''مجھ لاچار کا تو یہ حال ہے کہ بچے بیمار اور بیوی بے کار ہے۔''

''اس پر ہنسنا تھا۔'' صوفیہ نے معصومیت سے پوچھا تو ماہا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''دوستوں کی 'عزت افزائی' پر دشمن ہی ہنسا کرتے ہیں۔'' حسیب نے ماہا پر چوٹ کی۔ تبھی زعیم وہاں آ گیا۔

''بہت مبارک ہو آپ کو۔'' ماہا نے پھولوں کا گلدستہ اس کی طرف بڑھایا۔ نندنی اور صوفیہ نے بھی پھول دیے جو اس نے تھینک یو کہتے ہوئے تھام لیے۔

''لٹل گرل! تم میں کوئی بات ضرور ہے۔'' حسیب رضا ماہا سے مخاطب ہوا۔

''کیا؟''

''ارے میرے اس سڑیل سے دوست سے نہ صرف دوستی کی بلکہ اسے ہنسنا بھی سکھا دیا۔'' اس نے زعیم حسن کے مسلسل مسکرانے پر کہا تو ماہا بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

''شکر ہے تمہاری نیا بھی کسی پار لگی۔'' نمائش کے اختتام پر وہ لوگ واپس آ رہے تھے جب حسیب رضا نے زعیم حسن سے کہا۔ زعیم ڈرائیو کر رہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''اتنے بھولے تو نہیں ہو زعیم حسن! جتنا بن رہے ہو۔''

''میں واقعی نہیں سمجھا۔''

''ماہا کی بات کر رہا ہوں۔''

''یہاں اس کا کیا ذکر؟'' چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہی تھے۔

''تمہارا کیا خیال ہے کیسی لڑکی ہے وہ؟''

''یہ آج تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

''ٹالو مت۔ مجھے سیدھا سیدھا جواب دو۔''

''اچھی لڑکی ہے۔''

''لڑکی تو واقعی اچھی ہے یہ میں بھی جانتا ہوں۔ ویسے میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی کہ تم نے اس سے دوستی کیسے کر لی؟''

''مائنڈ یو۔ میں نے نہیں اس نے مجھ سے دوستی کی ہے۔''

''دوستی تم کرو یا وہ بات تو ایک ہی ہے۔''

''بات ایک کیسے ہو سکتی ہے وہ میری طرف بڑھی ہے میں نے اسے نہیں کہا تھا۔'' وہ جانے کیوں بحث پر آمادہ تھا۔

"چلو مان لیا مگر تم نے بھی تو اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔"

"پتا نہیں تم کیا سمجھ رہے ہو۔"

"زعیم حسن! کم از کم میرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔"

"میں نے کب جھوٹ بولا ہے۔"

"تو پھر مان کیوں نہیں لیتے کہ ماہا تمہیں بھی اچھی لگتی ہے جبھی تم نے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔"

"بے وقوف ہے وہ۔" زعیم نے سر جھٹکا۔

"وہ بے وقوف ہے تو پھر یہ سب کیا ہے۔" حسیب کو سچ مچ غصہ آنے لگا تھا۔

"کیا؟ کیا کیا ہے میں نے؟"

"زعیم! تم کبھی کبھی بالکل اجنبی لگنے لگتے ہو۔" حسیب نے گویا تاسف سے سر ہلا دیا۔ "ایک بات مانو میری۔ تم اس سے شادی کرلو۔"

"واٹ۔" حسیب کی بات پر وہ بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔

"میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا۔" حسیب رضا نے اس کے اس طرح ہنسنے پر برا سا منہ بنایا۔

"حسیب! بی پریکٹیکل یار۔ تم جانتے ہو اس کی اور میری عمر میں کم و بیش اٹھارہ انیس برس کا فرق ہے۔"

"سو واٹ اگر تم اپنے سے اتنی چھوٹی لڑکی سے دوستی کر سکتے ہو تو پھر اس سے شادی کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔"

"تم جانتے ہو مجھے شادی کے نام سے بھی نفرت ہے۔ میری زندگی میں شادی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"تو یہ سب تمہیں اس کی طرف بڑھنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

"تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی۔ پھر یہ دوستی....."

"دوستی اور شادی دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ دوستی تو میری اور بھی بہت سے لوگوں سے ہے۔"

"ہاں مگر وہ سب مرد ہیں۔ کیا میں نہیں جانتا کہ ان سولہ سترہ برسوں میں تم نے پہلی بار کسی لڑکی سے دوستی کی ہے۔"

"کیوں وہ لیزا' ماریہ' یوجا' مارتھا' جینی وہ سب بھول گئیں تمہیں؟"

"وہ تم سے دوستی کی خواہاں تھیں اور جینی تو تم سے شادی کی خاطر مسلمان بھی ہونے کو تیار تھی مگر تم نے کبھی کسی لڑکی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ ماہا پہلی لڑکی ہے جسے تم نے اپنے قریب آنے کی اجازت دی ہے۔"

"تم کیوں اس کی اتنی وکالت کر رہے ہو۔ کہیں تمہارا ارادہ تو....."

"شرم کرو زعیم! وہ لڑکی مجھے اپنی چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز ہے۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے اور یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔"

"اوہ فار گیٹ اٹ یار! تم کیوں بحث کر رہے ہو۔ وقت تو آنے دو ذرا۔"

"چالیس کے ہونے والے ہو تم۔ اور کون سا وقت آئے گا۔"

"تم کیوں چاہتے ہو کہ میں ماہا سے ہی شادی کروں جبکہ وہ مجھ سے آدھی عمر کی ہے۔ تم تو اسے بہن سمجھتے ہو پھر یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ اس سے دگنی عمر کا شخص اس سے شادی کرلے۔"

"محبت عمروں سے مشروط نہیں ہوتی۔ مجھے لگتا ہے وہ لڑکی واقعی تم سے بے انتہا محبت کرتی ہے۔ ویسے بھی تم کون سے بوڑھے ہو گئے ہو۔ اپنی عمر سے سات آٹھ سال چھوٹے ہی لگتے ہو۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی کہ تم بار بار یہ کیوں کہہ رہے ہو کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"تم نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر رکھی ہیں مگر میں نے نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ اس لڑکی کی آنکھوں میں لکھی واضح تحریر تم نہیں پڑھ سکے۔ حسیب کا لہجہ بے حد سنجیدہ

تھا۔

"اچھا بابا! تم جیتے میں ہارا۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے میں تمہارا دوست نہیں بلکہ وہ تمہاری دوست ہے۔" وہ ماحول کو ہلکا پھلکا بنانے کی خاطر جبراً مسکرایا۔

"میں تمہارا دوست ہوں جبھی تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ ماہا سے اچھی لڑکی شاید تمہیں دوبارہ نہ مل سکے۔" حسیب کا گھر آچکا تھا۔ اترتے اترتے اس نے کہا۔

"تم پاکستان کب جارہے ہو؟"

"کیوں؟ اب میں تمہیں کھٹکنے لگا ہوں؟" زعیم کے پوچھنے پر حسیب شرارت سے گویا ہوا۔

"اگلے ہفتے فلائٹ ہے میری۔"

"بھابی اور بچوں کے لیے میں نے کچھ گفٹس لیے ہیں۔ وہ یاد سے لیتے جانا۔"

"پچھلے دس سال سے تم انہیں گفٹ بھیج رہے ہو۔ اب مجھے بھی موقع دو یار۔" بات معنی خیز تھی۔ زعیم حسن کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

✿✿✿

"سر! میں پینٹنگ سیکھنا چاہتی ہوں۔" اس روز کالج ٹائم کے بعد وہ پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا جب ماہا وہاں چلی آئی تھی۔ زعیم حسن نے ایک لمحے کو رک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مس ماہا! پینٹنگ سیکھی نہیں جاتی۔ یہ تو ان بورن ٹیلنٹ ہوتا ہے۔"

"سر! آپ مجھے گائیڈ تو کر سکتے ہیں نا؟" وہ بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔

"اوکے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھا۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔" نندنی نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہی کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔" نندنی اور صوفیہ ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں تو ماہا جھینپ گئی۔

"میں نے تم لوگوں کے کہنے پر سر سے پینٹنگ سکھانے کو کہا ہے ورنہ مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں۔" ماہا نے چیونگم کا پیکٹ کھولتے ہوئے کہا۔

"کس میں۔ سر میں یا پینٹنگ میں؟" صوفیہ نے دریافت کیا تو وہ گلنار ہوگئی۔

"بکومت۔"

"اوہ مائی گاڈ یو آر بلشنگ مائی ڈیئر۔" نندنی نے اس کے سرخ ہوتے گالوں کو دیکھ کر کہا۔

"تم لوگ اب میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گی۔" ماہا نے خفت مٹانے کو کہا۔ نندنی اور صوفیہ کی چھیڑ چھاڑ دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔

"اب بنومت۔"

"اور یہ تم نے کیا کہا ہمارے کہنے پر 'سر' سے پینٹنگ سکھانے کو کہا۔ تم بھی تو یہی چاہتی تھیں۔"

"میں کب پینٹنگ سیکھنا چاہتی تھی۔"

"محترمہ ماہا درانی صاحبہ! ہم پینٹنگ کی تو بات کر ہی نہیں رہے۔" نندنی نے ایک ادا سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"اتنا اچھا موقع فراہم کیا ہے تمہیں۔ اب تم ہر وقت "ان" کے ساتھ رہو گی۔" صوفیہ نے چھیڑا۔

"میری چھوڑو تم سناؤ۔ اجیت صاحب کیسے ہیں؟" ماہا نے توپوں کا رخ نندنی کی طرف موڑ دیا تو وہ مسکرا دی۔

"تمہیں پتا ہے اگلے ماہ اس کی ممی لندن آرہی ہیں۔"

"ریئلی۔"

"ہاں وہ بھی پروپوزل لے کر۔"

"ہاؤ لکی۔" ماہا کے لہجے میں حسرت سی تھی۔ جسے وہ دونوں محسوس کرنے سے قاصر تھیں۔ اس شام وہ زعیم حسن کے پاس نہیں جا سکی تھی کیونکہ وہ اویس چاچو اور صبا چچی گھر پر تھے اگرچہ انہوں نے اسے کبھی بھی کہیں آنے جانے سے منع نہیں کیا تھا مگر اسے خود اچھا نہیں لگا تھا۔ اگلے دن اتوار تھا اور وہ صبح دیر تک سوتی رہی تھی۔ دوپہر کے دو بجے کے قریب اس نے زعیم حسن کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"ارے لٹل گرل! تم یہاں؟" بیل بجانے پر دروازہ کھولنے والا حسیب رضا تھا۔ وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔

"ارے اندر آؤ بھئی یہاں دروازے میں کیوں کھڑی ہو؟" حسیب نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ لاؤنج میں زعیم خاصے فری اسٹائل میں بیٹھا تھا۔ بلیو جینز کے پائنچے فولڈ کر کے گھٹنوں سے ذرا نیچے کیے ہوئے تھے۔ سیاہ بنیان، شرٹ ندارد۔ ماہا ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔ دل میں سو بار خود کو لعنت کی۔ بھلا چھٹی والے دن آنے کی کیا تک تھی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

"السلام علیکم!" نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ زعیم سلام کا جواب دیتا اٹھ کر اندر چلا گیا۔ ماہا کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"مم..... میرا خیال ہے میں غلط وقت پر آ گئی۔ میں چلتی ہوں۔"

"ارے نہیں بھئی۔ بالکل ٹھیک وقت پر آئی ہو۔ بیٹھو ناں۔ کھڑی کیوں ہو۔" حسیب نے اس کا ارادہ بھانپ کر اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ لب کاٹتی صوفے پر ٹک گئی۔

"کیسی ہو؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"کچھ لوگی؟ چائے یا....."

"میں ابھی ناشتہ کر کے آئی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔ اتنے میں زعیم بھی آ گیا۔ جینز پر سفید ٹی شرٹ پہن لی تھی۔

"کیسی ہیں ماہا! آپ؟" سرسری سا لہجہ اختیار کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ اب حسیب کے برابر صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ ماہا کو جانے کیوں اپنا آپ وہاں مس فٹ لگ رہا تھا۔

"ارے آپ ایزی ہو کر بیٹھیں۔" زعیم کے کہنے پر حسیب نے اس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا۔ زعیم اس کی نگاہوں میں لکھا مفہوم سمجھ سکتا تھا۔

وہ یقیناً ماہا کی موجودگی کا سبب جاننا چاہتا تھا یا خود سے ہی کوئی نتیجہ اخذ کر چکا تھا۔

"ماہا چاہتی ہیں کہ میں انہیں پینٹنگ سکھاؤں۔" فوراً وضاحت کی جس پر حسیب قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔ زعیم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"سوری مگر مجھ سے رہا نہیں گیا۔" وہ فوراً ہاتھ اٹھا کر معذرت کر رہا تھا۔

"کیپ یور ماؤتھ شٹ۔" زعیم نے تنبیہ کی۔

"ظاہر ہے اب میرا بولنا تمہیں کہاں اچھا لگے گا۔" حسیب نے سرد آہ بھری۔ ماہا ان دونوں کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھی۔

"مم..... میں چلتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے نہیں آپ بیٹھیں میں تو جانے ہی والا تھا۔" حسیب جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ آج کا سارا دن وہ اور زعیم اکھٹے بتانے والے تھے۔

"کل صبح میری فلائٹ ہے۔ میں پاکستان جا رہا ہوں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔ بیٹھو یار۔ شام سے پہلے تم ذرا یہاں سے ہل کر تو دکھاؤ۔" زعیم نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو حسیب شرارت سے مسکرا دیا اور آنکھ سے ماہا کی طرف اشارہ کیا۔

"ایک شرط پہ؟" حسیب نے ماہا سے نظر بچا کر زعیم کو آنکھ ماری۔ "ماہا بھی ہمارے ساتھ شام تک یہیں رہے گی۔ کیوں ماہا؟"

"مم..... میں؟" وہ گھبرائی گئی۔ دو دوستوں کی موجودگی میں وہ تھوڑی سی دیر میں آکورڈ فیل کر رہی تھی۔ کجا کہ شام تک ٹھہرنا۔

"زعیم تم ہی کہو یار! ہماری بات میں اتنا وزن کہاں؟" وہ مصنوعی ناراضگی سے بولا تو زعیم نے اسے گھورا پھر ماہا کی طرف متوجہ ہوا۔

"حسیب ٹھیک کہہ رہا ہے۔" انداز لٹھ مار سا تھا۔

"اوکے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اب اسی خوشی میں ماہا ہمیں اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلائے گی۔" حسیب کے کہنے پر وہ دھیرے سے

مسکراتی اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

کیا وجہ تھی۔ اسے شام تک یہاں روکنے کی؟" ماہا کے جانے کے بعد وہ حسیب سے الجھ پڑا۔

"میں تو تمہاری وجہ سے....."

"بکواس نہ کر یار۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولا یوں جیسے منہ میں کونین گھل گئی ہو۔

"زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود تو اُس کے "پینٹنگ ٹیچر" بننے کو تیار ہوگئے اور میں نے کہا تو....."

"میں نے نہیں اُس نے خود خواہش ظاہر کی تھی۔"

"تو تم انکار بھی تو کر سکتے تھے۔"

"تم اب بحث برائے بحث کر رہے ہو۔" زعیم نے اُکتا کر کہا۔

"تم مان کیوں نہیں لیتے زعیم حسن کہ تم اس لڑکی کی بات کبھی نہیں ٹال سکتے۔"

"اب خدا کیلئے اپنا یہ فضول "محبت کی فضیلت" کا لیکچر مت شروع کر دینا۔" زعیم کے کہنے پر حسیب نے محض گھورنے پر اکتفا کیا کیونکہ ماہا چائے لے کر آچکی تھی۔

"چینی کتنی؟" اُس نے حسیب کی طرف دیکھا۔

"ایک چمچ۔" حسیب کو چائے بنا کر دینے کے بعد زعیم حسن کی طرف بنا شکر کے چائے کا کپ بڑھایا اور اپنا کپ لے کر صوفے پر جا بیٹھی۔

"لٹل گرل تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" حسیب نے خاموشی کو توڑا۔ کوئی تو بات کرنی تھی۔ زعیم تو لاتعلق بنا چائے پی رہا تھا۔

"ٹھیک۔"

"چائے تو بڑی مزیدار بناتی ہو تم۔" اپنی تعریف پر وہ جھینپ گئی۔

"زعیم کو لگتا ہے چائے کچھ زیادہ ہی پسند آگئی ہے۔ کیوں زعیم! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" شرارت سے زعیم کو دیکھتے ہوئے تائیدی انداز اختیار کیا۔

"کیا مطلب؟" گھور کر دیکھا جس کا حسیب پر اثر نہ ہوا۔

"تم بنا کچھ بولے خاموشی سے چائے جو پینے میں مصروف ہو۔"

"میں تمہاری طرح فضول نہیں بولتا۔"

"چپ رہ کر خود کو عقلمند ثابت کرنا چاہ رہے تھے۔" حسیب بدستور شرارت کے موڈ میں تھا۔ اُن دونوں کی نوک جھونک کے دوران ماہا اپنی چائے ختم کر چکی تھی۔

"اچھا جناب اب میں تو چلوں۔" خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے حسیب اُٹھ کھڑا ہوا۔ زعیم نے شکایتی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔

"رُکو ابھی۔" حسیب سے رُکنے کا کہہ کر وہ اندر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"میں کل پاکستان جا رہا ہوں۔"

"آپ کی فیملی پاکستان میں ہوتی ہے؟"

"ہاں۔"

"واپسی کب ہوگی؟"

"دو ماہ بعد۔"

"اتنی لمبی چھٹی۔"

"حق بنتا ہے بھئی۔ پورے دو سال بعد جا رہا ہوں۔"

"ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور۔ اس میں اجازت کی بھلا کیا بات ہے۔"

"کیا "سر" کی طرح آپ نے بھی شادی نہیں کی؟"

"نہیں بھئی۔ بفضل خدا میری شادی کو دس برس ہو گئے ہیں اور میرے دو پیارے پیارے بیٹے بھی ہیں۔ جہاں تک تمہارے "سر" کا تعلق ہے تو غالب امکان ہے کہ عنقریب اُن کے سہرے کے پھول بھی کھل جائیں گے لیکن اگر تم چاہو تو!"

"مم.....میں.....کیا مطلب؟" وہ گڑبڑائی۔ حسیب کی بات کچھ کچھ تو سمجھ میں آگئی تھی۔

"یہ لو۔" اس سے پہلے کہ حسیب جواب دیتا زعیم

digest Novels Lovers group

ہاتھ میں تین چار گفٹ پیکس لئے چلا آیا۔

"بھابھی کو اور ماں جی کو میرا اسلام دینا۔ ہنی اور سنی کو خوب پیار کرنا۔ صبح میں شاید ایئرپورٹ نہ آسکوں کیونکہ مجھے کل صبح صبح فائنل کی کلاس کیلئے لیکچر تیار کرنا ہے۔" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے دروازے تک گئے۔

"میں نے موقع فراہم کردیا ہے اس سے فائدہ ضرور اُٹھانا۔" بغل گیر ہوتے ہوئے زعیم سے کہا تو وہ محض دھیرے سے مسکرادیا۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں۔ بیٹھیں بھئی۔" دروازہ بند کرکے آیا تو وہ ابھی تک یوں ہی کھڑی تھی۔ ماہا نے کچھ اُلجھ کر اُس کی طرف دیکھا۔ حسیب جب تک موجود رہا تو وہ ایک لمحے کو بھی نہیں مسکرایا تھا مگر اب اُس کے جاتے ہی اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ یہ سب کم از کم ماہا سمجھنے سے قاصر تھی۔

"میرا خیال ہے آج کا سبق شروع کیا جائے۔" اُس کا اشارہ پینٹنگ کی طرف تھا۔ ماہا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ لیں۔ اب اس پر کچھ بنائیں۔" ایک بڑا سا سادہ کاغذ اور پینسل ماہا کے سامنے میز پر رکھی۔

"کیا بناؤں؟"

"کچھ بھی۔"

"مگر مجھے تو کچھ بھی بنانا نہیں آتا۔"

"کوشش تو کریں۔ اتنے میں میں کپڑے چینج کرلوں۔" اُس کے جانے کے بعد ماہا کافی دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔ پینٹنگ سیکھنا تو ایک بہانہ تھا زعیم حسن کی قربت میں رہنے کا ورنہ اُسے تو سیدھی لکیر بھی کھینچنا نہیں آتی تھی۔ اپنی سوچوں میں گم اُس کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا۔ ماہا نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ زعیم اُس کاغذ کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"خطاطی اچھی کرلیتی ہیں آپ۔" زعیم نے وہ کاغذ میز پر رکھا تو ماہا نے دیکھا جگہ جگہ زعیم حسن لکھا تھا۔ وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ جی چاہا ابھی زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اُس سے نظریں نہ اُٹھائی گئیں۔

"سوری سر۔ وہ میں دراصل....." لب کاٹتے ہوئے وہ محض اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"ارے۔ آپ اتنا پریشان کیوں ہورہی ہیں۔ میں نے کچھ کہا آپ کو؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر! مصوری سیکھنے سے نہیں آتی۔ یہ تو ان بورن ٹیلنٹ ہوتا ہے۔"

"اتنی جلدی مایوس ہوگئیں۔ ٹیلنٹ سب میں ہوتا ہے مگر ضرورت صرف پرکھنے کی اور تراشنے کی ہوتی ہے۔ آپ آئیں میرے ساتھ۔" ماہا کو ساتھ لیے وہ سامنے والے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں بہت ساری پینٹنگز تھیں جگہ جگہ رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ بے ترتیبی بہت زیادہ تھی۔ زعیم حسن کے گھر کی ہر چیز سے نفاست ٹپکتی تھی مگر یہ کمرہ بالکل برعکس تھا۔

"یہ پینٹنگ میں نے سب سے پہلے بنائی تھی۔" دیوار پر لگی ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ماہا نے دیکھا وہ بہت عام سی تصویر تھی مگر اس تصویر کو دیکھ کر بے ترتیبی اور ذہنی انتشار کا سا احساس ہوتا تھا۔ رنگوں کا بے دریغ استعمال کیا گیا تھا۔

"جب میں نے یہ پینٹنگ بنائی تھی۔ ان دنوں میں میں بہت ٹینس تھا۔ اپنے اس ڈپریشن سے راہ فرار کے لیے میں نے ان رنگوں میں سہارا تلاش کیا اور جس میں میں کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔" چند لمحے وہ یونہی اپنی اس پینٹنگ کو گھورتا رہا۔ "آپ جانتی ہیں ماہا یہ رنگ ہمارے جذبات واحساسات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ مجھے مصوری سے کبھی کوئی خاص لگاؤ نہیں رہا تھا۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ انہیں بچپن سے ہی فلاں کام کا شوق تھا یا وہ بچپن سے ہی وہ کام کرتے آئے ہیں مگر میں نے اپنی پہلی پینٹنگ اکیس برس کی عمر میں بنائی تھی۔ یہ رنگ میری تنہائیوں کے ساتھی ہیں۔ ان رنگوں نے مجھے تب سہارا دیا جب لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مجھے تنہا رہنے پر مجبور کردیا گیا تھا۔ اب بھی جب مجھ پر کبھی ڈپریشن طاری

ہوتی ہے تو میں ان رنگوں سے کھیل کر اپنا کتھارسس کرتا ہوں۔ ارے! لگتا ہے آپ میری باتوں سے بور ہو رہی ہیں۔" بولتے بولتے وہ رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"نو سر! بلکہ مجھے تو اچھا لگا کہ آپ مجھ سے اپنی باتیں شیئر کر رہے ہیں۔"

"آپ پینٹنگ کیوں سیکھنا چاہتی ہیں؟" زعیم کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

"آپ کی خاطر۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی مگر دل کی بات زبان پر لانا مشکل کام تھا حالانکہ صوفیہ اور نندنی نے اسے کتنا سمجھایا تھا کہ اگر زعیم پہل نہیں کرتے تو اسے خود انہیں بتا دینا چاہیے کہ وہ ان سے محبت کرتی ہے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ہمت مجتمع نہ کر پاتی تھی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟" اس کے ہمراہ چلتے ہوئے وہ باہر لاؤنج میں چلا آیا۔

"جج..... جی..... نہیں تو۔" وہ گڑبڑائی اور اضطراری کیفیت میں لب کاٹے۔ زعیم حسن نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کی شفاف نیلے کنچوں جیسی آنکھیں ایک الگ ہی داستان بیان کر رہی تھیں۔ اٹھتی گرتی پلکیں اور بار بار لب کاٹنا اس کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کر رہا تھا۔ زعیم حسن کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تو گویا تم فاتح ٹھہرے زعیم حسن! اتنی محنت رائیگاں نہیں گئی۔" اپنی سوچ پر وہ مسکرا دیا۔ نظریں ماہا پر ہی تھیں۔ ماہا اس کے اس طرح دیکھنے پر کنفیوز ہو گئی۔

"اف! آج انہیں کیا ہوا ہے۔" اس نے گھبرا کر پلکوں کی جھالر گرائی تھی۔ کلائی پر بندھی گھڑی شام کے پانچ بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں ماہا کہ آپ پینٹنگ کیوں سیکھنا چاہتی ہیں؟"

"بس یوں ہی۔"

"وجہ آپ جانتی نہیں یا بتانا نہیں چاہتیں؟" زعیم حسن کی زیرک نگاہی کی وہ قائل ہو گئی۔

"یہ بھی جانتے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں مگر صرف میرے منہ سے سننا چاہتے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔ "آر یا پار۔ آج فیصلہ ہو ہی جائے۔" وہ اٹھ کر گلاس وال کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ زعیم حسن کی طرف سے رخ موڑ لیا اور نظریں گلاس وال کے پار نظر آتی سڑک پر جما دیں۔

"میں پینٹنگ نہیں سیکھنا چاہتی۔" ان سے بات شروع کرنے کے لیے تمہید باندھی۔ "میں صرف آپ کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ کا یہ اپارٹمنٹ اچھا لگتا ہے....."

"اور میں؟" اس کے قریب سے آواز آئی تو وہ چونکی۔ نچلا لب دانتوں میں دبائے وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جی سر وہ..... آپ..... وہ....." زعیم حسن کو سامنے دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

"مس ماہا درانی! آپ نے کبھی غور کیا ہے آپ کی اور میری عمروں میں کتنا فرق ہے۔"

"محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔" زعیم کے رویے سے اسے تقویت ملی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" وہ دونوں ہاتھ گلاس وال پر رکھ کر نیچے سڑک پر آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ تبھی ماہا کا پرسنل سیل بج اٹھا۔ اسکرین پر چاچو کا نمبر تھا۔

"جی چاچو۔ مما! کب؟ اوکے میں آ رہی ہوں۔" موبائل آف کرتے ہوئے وہ کچھ پریشان سی نظر آئی۔

"سب خیریت ہے؟"

"جی۔ وہ دراصل میری مما پاکستان سے آئی ہیں۔ میں چلتی ہوں۔ وہ میرا گھر پر ویٹ کر رہی ہیں۔" چند لمحے پہلے وہ زعیم حسن سے کیا کہہ رہی تھی اور زعیم حسن نے کیا جواب دیا تھا۔ سب ذہن سے مٹ گیا تھا۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ مما اسے اس وقت گھر پر نہ پا کر کتنی ناراض ہوئی ہوں گی۔

"آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

ہوتی ہے تو میں ان رنگوں سے کھیل کر اپنا کتھارسس کرتا ہوں۔ ارے! لگتا ہے آپ میری باتوں سے بور ہو رہی ہیں۔" بولتے بولتے وہ رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"نو سر! بلکہ مجھے تو اچھا لگا کہ آپ مجھ سے اپنی باتیں شیئر کر رہے ہیں۔"

"آپ پینٹنگ کیوں سیکھنا چاہتی ہیں؟" زعیم کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

"آپ کی خاطر۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی مگر دل کی بات زبان پر لانا مشکل کام تھا حالانکہ صوفیہ اور نندنی نے اسے کتنا سمجھایا تھا کہ اگر زعیم پہل نہیں کرتے تو اسے خود انہیں بتا دینا چاہیے کہ وہ ان سے محبت کرتی ہے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ہمت مجتمع نہ کر پاتی تھی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟" اس کے ہمراہ چلتے ہوئے وہ باہر لاؤنج میں چلا آیا۔

"جج..... جی..... نہیں تو۔" وہ گڑبڑائی اور اضطراری کیفیت میں لب کاٹے۔ زعیم حسن نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کی شفاف نیلے کنچوں جیسی آنکھیں ایک الگ ہی داستان بیان کر رہی تھیں۔ اٹھتی گرتی پلکیں اور بار بار لب کاٹنا اس کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کر رہا تھا۔ زعیم حسن کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تو گویا تم فاتح ٹھہرے زعیم حسن! اتنی محنت رائیگاں نہیں گئی۔" اپنی سوچ پر وہ مسکرا دیا۔ نظریں ماہا پر ہی تھیں۔ ماہا اس کے اس طرح دیکھنے پر کنفیوز ہو گئی۔

"اف! آج انہیں کیا ہوا ہے۔" اس نے گھبرا کر پلکوں کی جھالر گرائی تھی۔ کلائی پر بندھی گھڑی شام کے پانچ بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں ماہا کہ آپ پینٹنگ کیوں سیکھنا چاہتی ہیں؟"

"بس یوں ہی۔"

"وجہ آپ جانتی نہیں یا بتانا نہیں چاہتیں؟" زعیم حسن کی زیرک نگاہی کی وہ قائل ہو گئی۔

"یہ بھی جانتے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں مگر صرف میرے منہ سے سننا چاہتے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔ "آر یا پار۔ آج فیصلہ ہو ہی جائے۔" وہ اٹھ کر گلاس وال کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ زعیم حسن کی طرف سے رخ موڑ لیا اور نظریں گلاس وال کے پار نظر آتی سڑک پر جما دیں۔

"میں پینٹنگ نہیں سیکھنا چاہتی۔" ان سے بات شروع کرنے کے لیے تمہید باندھی۔ "میں صرف آپ کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ کا یہ اپارٹمنٹ اچھا لگتا ہے....."

"اور میں؟" اس کے قریب سے آواز آئی تو وہ چونکی۔ نچلا لب دانتوں میں دبائے وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جی سر وہ..... آپ..... وہ....." زعیم حسن کو سامنے دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

"مس ماہا درانی! آپ نے کبھی غور کیا ہے آپ کی اور میری عمروں میں کتنا فرق ہے۔"

"محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔" زعیم کے رویے سے اسے تقویت ملی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" وہ دونوں ہاتھ گلاس وال پر رکھ کر نیچے سڑک پر آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ تبھی ماہا کا پرسنل سیل بج اٹھا۔ اسکرین پر چاچو کا نمبر تھا۔

"جی چاچو۔ مما! کب؟ اوکے میں آ رہی ہوں۔" موبائل آف کرتے ہوئے وہ کچھ پریشان سی نظر آئی۔

"سب خیریت ہے؟"

"جی۔ وہ دراصل میری مما پاکستان سے آئی ہیں۔ میں چلتی ہوں۔ وہ میرا گھر پر ویٹ کر رہی ہیں۔" چند لمحے پہلے وہ زعیم حسن سے کیا کہہ رہی تھی اور زعیم حسن نے کیا جواب دیا تھا۔ سب ذہن سے مٹ گیا تھا۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ مما اسے اس وقت گھر پر نہ پا کر کتنی ناراض ہوئی ہوں گی۔

"آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"نو سر! تھینک یو۔ میں چلی جاؤں گی۔"
"اپنا بھی کہتی ہیں اور پھر تکلف بھی کرتی ہیں۔" زعیم کے اصرار پر نا چار اسے ماننا پڑا تھا۔
"ریلیکس۔ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟" دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم جکڑتی وہ کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔
"دراصل مما کو میرا اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنا پسند نہیں ہے۔"
"اور کیا کیا ناپسند ہے آپ کی مما کو۔" لہجہ بے حد سرسری سا تھا۔
"مما بہت اصول پسند ہیں۔ انہیں لڑکیوں کا زیادہ دیر تک باہر رہنا پسند نہیں ہے۔"
"پھر تو آپ کا ڈرنا جائز ہے۔ مما کو پسند نہیں تو آپ کو ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے۔ ویسے اور کیا کیا ناپسند ہے آپ کی مما کو؟" اس کا لہجہ کچھ عجیب سا ہو گیا مگر ماہا دھیان ہی نہ دے سکی۔ اسے تو صرف گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ زعیم حسن نے دوبارا ایک ہی سوال دہرایا تھا۔ مگر ماہا نے دھیان ہی نہ دیا تھا۔ زعیم نے ایک نظر لب کاٹتی ماہا پر ڈالی وہ اپنی مما سے اتنا ڈرتی ہو گی۔ ایسا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔
"ڈونٹ وری۔ آپ مما سے کہہ دیجیے گا کہ آپ اپنی فرینڈ کے گھر پر تھیں۔" اپارٹمنٹ سے ذرا دور گاڑی روکتے ہوئے زعیم نے اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔
"مما سے جھوٹ بولوں؟" اس سے وہ اتنی معصوم لگی کہ بے اختیار زعیم کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔
"کبھی کبھار مصلحتاً جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
"تھینکس۔ آپ کو میری وجہ سے زحمت....."
"شش۔" لبوں پر انگلی رکھ کر اس کی بات کاٹی۔ "جو محبت کرتے ہیں ان کے لیے ایک دوسرے کا وجود زحمت نہیں ہوتا۔" زعیم حسن کے کہنے پر وہ منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اتنے عرصے میں پہلی بار زعیم نے اپنے منہ سے اعتراف کیا تھا کہ وہ ماہا سے محبت کرتا ہے۔ ماہا تو گویا ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ مارے تشکر کے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ زعیم حسن نے اس کا ہاتھ دھیرے سے دبا کر چھوڑ دیا اور آنکھوں سے اپنے ساتھ کا یقین دلایا۔ وہ شرمگیں مسکراہٹ لبوں پر سجائے گاڑی سے اتر گئی۔
"ہونہہ۔ بے وقوف۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی اور آنکھیں کسی نادیدہ احساس کے تحت چمکنے لگیں۔

❁❁❁

"تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟" اس کے سوال کے جواب میں مما نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔
"وہ..... مما..... میں..... صو..... صوفیہ کے گھر....."
وہ مر کر بھی مما کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔
"تمہارے ساتھ وہ شخص کون تھا؟" دوسرا سوال کیا گیا جس کے لیے وہ بالکل تیار نہ تھی۔
"وہ..... وہ تو....." وہ ایک لمحے کو رک گئی۔
"ماہا! تم چپ کیوں ہو؟"
"مما!..... وہ میرے ٹیچر تھے۔"
"تو تم ان کے ساتھ کیوں تھیں؟"
"مما! صوفیہ کے گھر سے واپسی پر میں ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی تھی کہ سر وہاں آ گئے اور انہوں نے لفٹ دے دی۔" ماہا کے کہنے پر مما کے ماتھے پر پڑے بلوں میں کچھ کمی واقع ہوئی۔
"تم جانتی ہو ماہا! مجھے تمہارا دیر تک گھر سے باہر رہنا پسند نہیں ہے۔ اور یوں ہر کسی پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔" مما کے لہجے کی سختی میں کمی آ گئی تھی۔
"مما! سر بہت اچھے انسان ہیں۔"
"اچھا چھوڑو۔ تم یہ بتاؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری؟"
"بالکل ٹھیک۔"

''اویس اور صبا تمہارا خیال تو رکھتے ہیں نا؟''
''جی۔''
''تم انہیں تنگ تو نہیں کرتیں؟''
''نہیں مما! کیا انہوں نے کچھ کہا۔''
''انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ میں خود پوچھ رہی ہوں۔''
''مما! بوا جی کیسی ہیں؟''
''ٹھیک ہیں۔ میں دراصل ایک میٹنگ کے سلسلے میں یہاں آئی تھی اور تمہیں بھی کچھ بتانا تھا۔''
''مجھے؟''
''میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔''
''واٹ؟'' وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ''میرا رشتہ؟''
''اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ سب لڑکیوں کے رشتے طے ہوتے ہیں۔''
''مگر مما! اتنی جلدی.....''
''وہ تو ہے مگر لڑکے والوں کو زیادہ جلدی تھی۔ وہ اسی سال شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ رشتہ بہت اچھا ہے۔ لڑکا اپنا بزنس رن کرتا ہے۔ ان لوگوں کی بہت سی فیکٹریز ہیں۔ لڑکا اکلوتا ہے اور.....''
''پلیز مما! مجھے کسی بھی ایکس وائے زیڈ سے شادی نہیں کرنی۔''
''کیا مطلب؟'' مما نے گھورا۔
''بس مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔''
''تو ٹھیک ہے۔ اس سال نکاح کر دیتے ہیں۔ رخصتی اگلے سال تمہارا بیچلرز مکمل ہوئے کے بعد کر دیں گے۔''
''مما! مجھے ابھی بہت پڑھنا ہے۔''
''تو شادی کے بعد پڑھتی رہنا انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' مما کا ارادہ اٹل تھا۔
''مما! یہ آپ کو اچانک کیا ہوگیا ہے۔ آپ خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ مجھے بہت سا پڑھنا ہے۔'' وہ جھلا کر بولی۔
''اور یہ بھی میں ہی کہہ رہی ہوں کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔''
''مگر مما.....''
''ماہا! تم مجھے بہت بدلی بدلی سی لگ رہی ہو۔ کل تک تو تم اس طرح میرے سامنے نگاہ اٹھا کر بھی بات نہیں کرتی تھیں۔'' مما نے سر سے پیر تک اسے گھورتے ہوئے کچھ اخذ کرنا چاہا تو وہ گڑبڑا سی ہوگئی۔
''نن..... نہیں تو مما میں.....'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ مما چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں۔
''میں ایک ہفتے کے لیے یہاں آئی ہوں اور اب میں تمہارا نکاح کر کے ہی واپس جاؤں گی۔'' مما اپنا فیصلہ سنا کر جا چکی تھیں جبکہ وہ صوفے پر ڈھے سی گئی تھی۔ آج ہی تو زعیم حسن نے محبت کا ہلکا سا اشارہ دیا تھا۔ اور آج ہی..... نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ مگر..... مگر مما کو کیسے سمجھاؤں گی۔ ساری شام اور پھر رات اسی کشمکش میں گزر گئی تھی۔
''مے آئی کم ان؟'' زعیم حسن نے مانیٹر پر سے نظریں ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا۔
''ارے ماہا! آپ کو بھی اجازت کی ضرورت پڑ گئی؟'' ریوالونگ چیئر کو گھماتے ہوئے وہ خوشدلی سے مسکرایا۔
''سر! وہ دراصل.....'' لب کاٹتی وہ خاصی الجھی الجھی نظر آرہی تھی۔
''اینی پرابلم؟''
''سر انگیجڈ مما میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' افسردہ سے لہجے میں کہتی سیدھی دل میں اتر گئی۔ ''مگر میں..... میں ایسا نہیں چاہتی۔'' یک دم وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔ زعیم حسن نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر ایک گہری نگاہ روتی ہوئی ماہا پر ڈالی۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر وہ چند ثانیے اسے یوں ہی دیکھتا رہا۔ پھر اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔
''رونے والے بزدل ہوتے ہیں ماہا۔'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

"مم..... مجھے بتایئے سر! میں..... میں کیا کروں؟ مما تو اسی ہفتے میرا نکاح کررہی ہیں۔"

"تم صاف انکار کردو۔"

"جی؟" ماہا نے روتے روتے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "مگر کیسے؟"

"صاف کہہ دو کہ تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔"

"مگر....."

"کیا نہیں کرتیں؟" لہجہ اتنا مضبوط تھا کہ ماہا بے اختیار نظریں جھکا کر رہ گئی۔

"مما مجھے جان سے ماردیں گی۔"

"محبت تو انسان کو نڈر بناتی ہے جبکہ آپ ابھی سے حوصلہ ہار گئیں۔" زعیم حسن نے کہا۔ "آپ بے خوف ہو کر اپنی مما سے بات کیجیے۔ وہ ماں ہیں آپ کی۔ جان سے نہیں ماریں گی۔ یہ گارنٹی میں دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کچھ خفگی وغیرہ دکھائیں مگر وہ بالآخر مان جائیں گی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ کن اکھیوں سے ماہا کی طرف دیکھا جو سر جھکائے لب کاٹتی تذبذب کا شکار لگ رہی تھی۔

"آپ بے فکر ہو کر جایئے ماہا! میں ہوں ناں پھر کاہے کا ڈر؟" اسے شانوں سے تھام کر مقابل کرتے ہوئے تسلی دی۔ "آپ کی مما ضرور مان جائیں گی۔ بلیکس۔"

"تھینک یو سر۔" آنکھوں میں چمک لوٹ آئی تھی اور لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی۔ وہ کمرے سے نکل گئی۔ زعیم نے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا تھا۔

"مجھے نہیں دیکھنی کوئی تصویر۔" ماہا نے مما کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ وہ تو اس قدر بدتمیزی پر کھول کر رہ گئیں۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے ماہا؟"

"جب سب کچھ آپ طے کرچکی ہیں تو پھر مجھے تصویر دکھانے کی فارمیلٹی کیوں نبھا رہی ہیں۔" ماہا نے اس طرح پہلے کبھی بات نہیں کی تھی۔ مسز درانی نے بڑی شدت سے اس کے بے خوف لہجے کو محسوس کیا تھا۔ در پردہ کوئی اور تھا جو ماہا کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ جس کی شہہ پر ماہا آج ان کے سامنے اس طرح بول رہی تھی۔ وہ لڑکی جو کل تک اپنی کسی فرینڈ کے گھر جانے سے پہلے یا کوئی ڈریس خریدنے سے پہلے مما سے سو بار پوچھتی تھی، آج اتنی خود سر ہوگئی تھی کہ ماں کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"کون ہے وہ؟" مما تھکے تھکے سے انداز میں کہتیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"جی؟" ماہا نے چونک کر دیکھا۔

"اتنی انجان مت بنو۔ وہی جس کی شہہ پر آج اپنی ماں کے منہ کو آرہی ہو۔"

"زعیم حسن۔" ماہا نے سر جھکا کر گویا اپنے جرم کا اعتراف کیا۔

"تمہارے ساتھ پڑھتا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر....."

"میرے ٹیچر ہیں۔"

"واٹ؟ وہی جو اس روز تمہیں چھوڑنے آئے تھے؟"

"جی۔"

"تمہارا ٹیچر ہے۔ کیا ینگ ہے؟"

"دیکھنے میں تو ینگ ہے؟"

"ٹیچر ہے تو تیس پینتیس سے تو اوپر کا ہی ہوگا۔"

"شاید۔" وہ مسلسل سر جھکائے کھڑی تھی۔

"تمہیں شرم نہیں آئی ماہا! اپنے سے اتنی بڑی عمر کے شخص کے ساتھ..... تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" وہ ایک دم بھڑک اٹھی تھیں۔

"محبت عمروں سے مشروط نہیں ہوتی۔" جی کڑا کر کے کہہ ڈالا۔

"شٹ اپ۔ میں نے تمہیں یہاں پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔ محبت، پیار کے چکروں میں پڑنے کو نہیں۔"

"آپ کچھ بھی کہیں۔ میں شادی کروں گی تو صرف زعیم حسن سے۔" اس کا انداز ہٹ دھرم تھا ہمیشہ فیصلے سنا

کران پر مہر ثبت کرنے والی مما آج بے بس نظر آرہی تھیں۔

"اس سے کہو مجھ سے آکر ملے۔" وہ کمرے سے نکلنے لگی تھی جب اس نے مما کی آواز سنی تھی۔

"تھینک یو مما! تھینک یو سو مچ۔" مما کے سامنے دو زانو بیٹھ کران کے ہاتھ تھام کر کہا۔ لنچ کے بعد مما کو کسی میٹنگ کے لیے جانا تھا۔ مما کے جانے کے بعد وہ زعیم حسن سے ملنے چل پڑی تھی۔

"پتا نہیں گھر پر ہوں گے بھی یا نہیں۔" ان کے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا۔ تین بار بیل بجانے کے بعد دروازہ کھل گیا۔ بلیک پینٹ اور بلیک لائنوں والی گرے کلر شرٹ میں وہ بلا کا جاذب نظر لگ رہا تھا۔ یا شاید ماہا کو آج وہ کچھ زیادہ ہی اچھا لگ رہا تھا۔

"آہم..... کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے۔" زعیم حسن کے کہنے پر وہ خجل سی ہوگئی۔ زعیم نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"سب خیریت رہی؟" کھوجتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مما اتنی آسانی سے مان جائیں گی۔ میں نے تو سوچا بھی نہ تھا۔" خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ زعیم کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آپ تو خوامخواہ ڈر رہی تھیں۔ میں نہ کہتا تھا کہ وہ مان جائیں گی۔" اس سے ذرا فاصلے پر ٹکتے ہوئے کہا۔

"مما آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" صرف نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیوں؟" زعیم کے کیوں پر ماہا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا آپ نہیں جانتے؟" لہجے میں ہلکی سی ناراضگی در آئی۔

"جانتا ہوں اور میں تو خود ان سے ملنے کو بے قرار ہوں۔" ماہا کے چہرے پر جھولتی لٹ کو بائیں ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑسا تھا۔ ماہا جھجک کر پیچھے ہوئی۔

"جھجکنے اور سمٹنے کے انداز شوق کو مزید ہوا دیتے ہیں۔" زعیم حسن کی شخصیت پرت در پرت کھل رہی تھی۔ بلا کی سنجیدگی اب بے تکلفی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے بھلا یہ سب پہلے کہاں دیکھا تھا۔ کسی مرد سے راہ و رسم کا بالکل پہلا تجربہ تھا۔ وہ گھبرا سی گئی۔ مستزاد وہ بہت قریب بیٹھے تھے۔

"آپ بتائیں کب ملوا رہی ہیں اپنی مما سے؟"

"جب آپ کہیں۔"

"تو پھر ایسا ہے کہ کل ہی یہ نیک کام کر لیتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھ کر مجھے بتا دیجیے گا کہ وہ کہاں ملنا پسند کریں گی۔"

"میں اب چلتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تو زعیم وہی بازو اس کے کندھوں پر رکھ دیا جو صوفے کی بیک پر دھرا تھا۔

"اتنی جلدی۔" ماہا پوری جان سے لرز گئی۔ زعیم حسن تو آج اسے حیران کرنے پر تلے تھے۔

"وہ مما....." الفاظ حلق میں اٹکنے لگے تھے۔

"کیا بہت خوفناک ہیں آپ کی مما؟"

"نن..... نہیں تو....."

"آپ کے انداز سے تو یہی لگتا ہے۔ لگتا ہے کل مجھے خوب تیاری کر کے ان سے ملنا پڑے گا۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" اس سے تائید چاہی تو وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

"مما کو کس طرح امپریس کرنا ہے۔ یہ سوچنا اب آپ کا کام ہے۔"

"جب بیٹی کو امپریس کر لیا تو مما کیا چیز ہیں۔" وہ مسکرایا تو ماہا بھی مسکرا دی۔

"میں جاؤں؟"

"آں..... ہاں" وہ جو کسی دھیان کے تحت تھا۔ چونک گیا۔ "ٹھیک ہے بس تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے پھر....." ادھوری بات کا مفہوم ماہا اچھی طرح جان گئی تھی۔ لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ لیے وہ باہر نکل گئی۔ زعیم نے سر جھٹکتے ہوئے دوسرا سگریٹ سلگا لیا تھا۔

اویس چاچو کی ساس کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ

صبا چچی کو لے کر گلاسگو روانہ ہو گئے تھے۔ ان کی سسرال گلاسگو میں تھی۔ مما جلد از جلد زعیم حسن سے ملنا چاہتی تھیں۔ ماہا نے فون کر کے زعیم کو گھر بلایا تھا۔ دوپہر کے تین بجے وہ آیا تھا۔ زعیم کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ مما کو بلانے دوڑی تھی۔

"تم یہیں رہو۔ جب ضرورت ہوگی میں بلوالوں گی۔" مما نے اسے اپنے کمرے میں رکنے کا کہا تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔ مما جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو زعیم کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھنے میں محو تھا۔ مسز درانی نے کھنکھار کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ زعیم حسن چونک کر پلٹا۔

"تم؟" زعیم حسن کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مسز درانی کے منہ سے نکلا تھا۔

"یاداشت تو ابھی بھی کمال کی ہے آپ کی۔" اس کے برعکس وہ بے حد پرسکون تھا۔ کوئی دھچکا نہیں لگا تھا۔

"تم تو....." الفاظ حلق میں اٹک گئے تھے۔

"ناچیز کو ہی زعیم حسن کہتے ہیں۔"

"گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" یکلخت وہ چلائی تھیں۔ زعیم کے لبوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اتنا غصہ۔"

"تم گھٹیا' کمینے انسان' تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کی طرف دیکھنے کی۔" مسز درانی کے چلانے پر وہ اسی پرسکون سے انداز میں مسکرا دیا۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے نا رمنا بیگم! تم نے تو کہا تھا کہ تم مجھ جیسے کم ذات اور تمہارے ہی ٹکڑوں پر پلنے والے انسان پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتیں' مگر دیکھو آج اسی کم ذات کو تمہاری بیٹی نے بطور جیون ساتھی پسند کیا ہے۔"

"اس کا مطلب تم..... تم جانتے تھے کہ ماہا میری بیٹی ہے۔"

"بہت پہلے سے۔"

"اوہ۔ تم فراڈیے۔ تم نے جان بوجھ کر میری بیٹی کے ساتھ یہ کھیل کھیلا۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"میں..... میں اسے سب کچھ بتادوں گی۔ تمہارا اصلی چہرہ دکھاؤں گی۔ اسے....."

"پھر تو تم کہیں کی بھی نہیں رہو گی رمنا درانی! حتی کہ خود اپنی بھی نہیں۔" وہ بہت پرسکون انداز میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے صوفے پر بیٹھا تھا جبکہ رمنا سخت بے قراری کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھیں۔

"سوچو۔ کیا بیتے گی اس پر یہ جان کر کہ اس کی ماں کتنی گھٹیا عورت ہے۔"

"بلیک میل کر رہے ہو مجھے؟"

"میری مجال! یہ تو مکافات عمل ہے۔"

"میں کبھی مر کر بھی ماہا کی شادی تم سے نہیں کروں گی۔"

"چیلنج کر رہی ہو؟" اس کا انداز ایسا تھا کہ رمنا تڑپ کر رہ گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ زعیم حسن بدلے کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"تمہیں شرم نہیں اپنے سے بیس برس چھوٹی لڑکی کو پھنساتے ہوئے۔"

"تمہیں شرم آئی تھی خود سے چھ برس چھوٹے لڑکے کو پھنساتے ہوئے۔ میں تو پھر مرد ہوں۔" وہ دوبدو بولا تھا۔

"میں..... میں تمہیں کبھی جیتنے نہیں دوں گی۔"

"عرصہ ہوا ہار جیت کا کھیل چھوڑ دیا۔ ہم تو صرف ایک ہی کھیل کھیلا کرتے ہیں۔ بدلے کا کھیل' انتقام کا کھیل۔" وہ ہنوز پرسکون تھا۔

"میں تمہاری یہ خواہش خاک میں ملادوں گی۔"

"دعویٰ وہی کیجیے جو پورا کر پائیں۔"

"تم رمنا حشمت جاہ کو جانتے نہیں ہو شاید۔"

"بدقسمتی سے سب سے زیادہ جانتا ہوں میں آپ کو۔"

"علی! اچھا ہوگا تم میری بیٹی کے راستے سے خود ہٹ جاؤ۔" مارے غصے کے رمنا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں وہ علی نہیں ہوں رمنا حشمت جاہ! جو آپ کے

اشاروں پر چلا کرتا تھا۔ عرصہ ہوا میں اس بزدل کو مار چکا ہوں۔" آواز اونچی تھی نہ لہجہ بے ہنگم۔ "میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔ کوئی بھی اچھی سی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔ میری طرف سے کوئی دیر نہیں ہے۔" ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے سے وہ باہر نکل گیا۔ ماہا لان میں بنے سنگی بینچ پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر دوڑ کر اس کی طرف آئی۔

"کیا باتیں ہوئیں؟" وہ سخت بے چین نظر آ رہی تھی۔

"وہی جو ہونی چاہیے تھیں۔" وہ مسکرایا تو ماہا نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

"ایک بات کا ڈر ہے۔"

"وہ کیا؟" ماہا نے سہم کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ کی مما شاید ہماری تمہاری عمروں کے فرق کو لے کر پس و پیش کریں مگر ایک بات یاد رکھیے گا ماہا! آپ کے بنا زندگی ادھوری ہے۔" وہ یہ کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا جبکہ ماہا اس کے لفظوں کے سحر میں جکڑی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ خلاف توقع مما بالکل خاموش تھیں۔ رات کے کھانے پر وہ اپنے کمرے سے نکلی تھیں۔ ماہا نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر پتھریلے سے تاثرات تھے۔

"مما! وہ آپ کو کیسے لگے؟" ڈرتے ڈرتے پوچھا تو رمنا نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

"خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" کھانے کے بعد اس نے چائے بنائی اور مما کے کمرے میں چلی آئی۔

"مما۔"

"ہوں۔" وہ شاید کسی سوچ میں گم تھیں۔ ماہا کے پکارنے پر چونک گئیں۔

"چائے۔"

"رکھ دو۔" وہ چائے رکھ کر کچھ دیر دانستہ کھڑی رہی کہ شاید مما کچھ کہیں مگر وہ خاموش رہیں۔

"سنو ماہا!" وہ جانے کو پلٹی تھی جب مما نے پکارا۔

"پرسوں تمہارا نکاح ہے۔"

"سچ مما! اوہ مما یو آر گریٹ۔" وہ ایک دم پرجوش ہو گئی۔

"فاران زبیری کے ساتھ۔" مما کی بات پر وہ گویا کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"مگر مما! آپ تو....."

"لائٹ آف کر کے جانا۔" مما نے کروٹ بدل لی۔

"مما! میں زعیم حسن کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ اپنے سے دگنی عمر کے شخص سے شادی کر کے سوائے پچھتاووں کے کچھ نہیں ملے گا تمہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔ غصیلی آواز خاصی بلند تھی۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"فضول بحث مت کرو ماہا! میں نے ایک بار کہہ دیا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"آخر کیوں؟ کیا برائی ہے ان میں؟"

"بھلے اس شخص میں ہزار اچھائیاں ہوں مگر میں تمہاری شادی اس سے کبھی نہیں ہونے دوں گی۔"

"تو پھر آپ وہاں بھی میری شادی نہیں کر پائیں گی جہاں آپ چاہتی ہیں۔" وہ پیر پٹختی باہر نکل گئی تھی۔

رات بھر رمنا ٹھیک سے نہ سو سکی تھی نیند گویا آنکھوں سے روٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے شروع سے ہی ماہا کی پرورش ان خطوط پر کی تھی کہ وہ کبھی ماں کے آگے بولنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ ہارون سے شادی کے کچھ عرصے بعد ماہا پیدا ہوئی تھی۔ وہ من پسند جیون ساتھی پا کر بے تحاشہ خوش تھیں کہ اچانک ان کی ہستی بستی زندگی میں آگ لگ گئی۔ ستم یہ کہ یہ آگ خود اس کے اپنے ہاتھوں سے لگی تھی۔ ہارون نے خود اپنے کانوں سے رمنا اور ثوبیہ کی باتیں سنی تھیں جب وہ ہنس ہنس کر علی سے چھٹکارا پانے کا قصہ سنا رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے ہارون کا رویہ یکسر بدل گیا تھا۔ وہ اسے مکار اور چالباز کے علاوہ کسی اور نام سے نہیں

digest Novels Lovers group

پکارتا تھا۔ اسے تو وہ محبت بھی ڈھکوسلا لگتی تھی جو وہ ہارون سے کرتی تھی۔ پھر ایک روز خوب لڑائی ہوئی اور اسی لڑائی جھگڑے کے دوران ہارون نے سب گھر والوں کے سامنے علی اور رمنا کی حقیقت آشکار کر دی۔ انکا جان کی نظروں میں وہ گر گئی تھی۔ وہ دن رات علی کو یاد کرتے تھے اور رو رو کر اپنے سلوک کی معافیاں مانگا کرتے تھے۔ کچھ ہی عرصے بعد ہارون کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ہارون کی وفات کے دو ماہ بعد انکا جان بھی چل بسے۔

رمنا نے ایک پرائیوٹ کمپنی میں جاب کر لی اور پھر چند ماہ کے عرصے کے بعد اسی کمپنی کے مالک ادریس درانی سے نکاح کر لیا۔ وہ ماہا کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گھر والوں کا رویہ چونکہ پہلے بھی سرد سا ہو گیا تھا۔ ادریس سے شادی کے بعد اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا مگر ادریس ایک عیاش مرد تھا۔ وہ کلی کلی منڈلانے والا بھنورا تھا اور رمنا سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔ ادریس کا چھوٹا بھائی اویس لندن میں رہتا تھا جبکہ بہن دبئی میں مقیم تھی۔ اب یہ رمنا کی بدقسمتی تھی کہ ادریس اپنی عیاش طبع کے باعث بے دریغ پیسا لٹا چکا تھا۔ جس سے کاروبار میں سخت نقصان ہو رہا تھا۔ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وہ اس دنیا سے چلا گیا تو رمنا ایک بار پھر تنہا ہو گئی۔ کاروبار کو نئے سرے سے سہارا دیا۔ گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کیا۔ دن رات کی مصروفیت اور پیسہ کمانے کی دھن میں وہ ماہا سے دور ہوتی چلی گئی۔ ماہا کو بوا جی نے پالا تھا۔ رمنا بے حد سنجیدہ اور سخت مزاج ہو گئی تھی۔ ماہا اس سے دبتی تھی۔ جو رمنا کے لیے باعثِ اطمینان تھا۔ لاشعوری طور پر وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماہا اپنی ماں کی طرح خودسر اور ضدی ہو۔ جب تک بھائی زندہ رہا اویس اور حمیرا سال میں ایک آدھ بار چکر لگا لیتے تھے۔ مگر بھائی کے مرنے کے بعد تو وہ بالکل ہی لاتعلق ہو گئے تھے۔ ماہا کون سی ان کی سگی بھتیجی تھی جو وہ اس کی محبت میں کھنچے چلے آتے۔ ماہا کو اسکالرشپ ملنے کے بعد رمنا نے اسے لندن بھجوا دیا۔ اویس ماہا کا سوتیلا چچا ضرور تھا مگر رمنا کی عزت کرتا تھا۔ اس لیے جب رمنا نے ماہا کو بھجوانے کی بات کی تو وہ آرام سے مان گیا تھا۔

"اف کاش! مجھے پتا ہوتا کہ یہ سب ہو جائے گا تو کبھی ماہا کو یہاں نہ بھجواتی۔" وہ بری طرح پچھتا رہی تھیں۔

"مگر علی کو کیسے پتا کہ ماہا میری بیٹی ہے۔ وہ تو اویس کو بھی نہیں جانتا۔" وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ دل کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر چلی آئیں۔ یوں ہی دروازہ کھول کر ماہا کے کمرے میں جھانکا تو دھک سے رہ گئیں۔ وہ نیچے قالین پر اوندھی لیٹی تھی۔ کسی انہونی کے خیال سے دل بیٹھنے لگا تھا۔ انہوں نے ماہا کو سیدھا کیا تو تڑپ کر رہ گئیں اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

"ماہا! ماہا! آنکھیں کھولو۔" اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے وہ چلائی تھیں۔ کچھ ہی فاصلے پر نیند کی گولیوں کی خالی شیشی پڑی تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ خود پر قابو پا چکی تھیں شکر ہے اویس کی گاڑی گھر پر ہی تھی۔ ماہا کو گاڑی میں ڈال کر وہ سیدھا ہاسپٹل گئی تھیں۔ سوسائیڈ کیس تھا۔ ماہا آئی سی یو میں تھی۔ رمنا پولیس اور ڈاکٹرز کے درمیان گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ ضابطے کی کارروائی تمام ہوئی۔ ماہا کی حالت ابھی خطرے میں تھی۔ رمنا کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ انہیں تو آج معلوم ہوا تھا کہ وہ ماہا سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔ خدا خدا کر کے ماہا کی حالت سنبھلی مگر وہ اب بھی نیم بے ہوش تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا اگر چند لمحے اور دیر ہو جاتی تو پھر ماہا کا بچنا مشکل تھا کیونکہ اس نے کافی تعداد میں نیند کی گولیاں کھائی تھیں۔ رمنا نے تو سوچ کر ہی جھرجھری لی تھی۔ وہ ماہا کے سرہانے بیٹھی تھیں اور ماہا نیم بے ہوشی میں صرف ایک ہی نام کی گردان کر رہی تھی۔ رمنا کا دل کٹ کر رہ گیا۔ صبح کے قریب کہیں جا کر ماہا کو ہوش آیا۔

"کیوں بچایا مجھے؟ مر جانے دیا ہوتا۔" اس نے رمنا کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔

"ماہا! کیا تمہیں اپنی ماں کا ذرا سا بھی خیال نہیں؟"

"کیا آپ کو میرا خیال ہے؟"

"کیوں کیا تم نے ایسا؟" زمانے بھر کی تھکن لیے

ہی تھی۔

"زعیم حسن کے بغیر جینا بے معنی ہے۔" لفظوں میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"ٹھیک ہے مگر وعدہ کرو آئندہ تم ایسی حرکت نہیں کرو گی۔" وہ بیٹی کی محبت کے آگے ہار گئی تھیں۔ ماہ نے خوشگوار حیرت سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"ممّا آپ......"

"جب تم خود کچھ کھانا نہیں چاہتیں تو پھر......" رمنا نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ماہ نے تو جیسے ابھی نئی زندگی پائی۔ وہ تو گویا خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک لمحے کی تاخیر کیے زعیم حسن کو یہ خوشخبری سنا دے۔

"اس سے کہو کہ مجھ سے آ کر ملے۔" "میں جلد از جلد تمہاری شادی کر دینا چاہتی ہوں۔" ممّا کی آواز پر اس کی سوچیں منتشر ہوئی تھیں۔

"ہم......" اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر فوراً ہی چپ ہو گئی۔ ممّا اتنی مشکل سے مانی تھیں مزید کچھ کہتی تو ان کا مزاج بگڑ جاتا۔ جذبات میں آ کر وہ خودکشی جیسا انتہائی قدم اٹھا بیٹھی تھی مگر اب وہ ممّا کو مزید دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ ممّا اٹھ کر باہر گئیں تو اس نے سائیڈ پر رکھا سیل فون سیٹ اٹھا لیا۔ آپریٹر کے ذریعے زعیم حسن کے گھر کا نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم! میں ماہ......"

"وعلیکم السلام۔ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی آواز سے اتنا بھی ناواقف نہیں۔" الفاظ تو اپنائیت بھرے تھے مگر لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"الحمدللہ۔"

"ممّا...... ممّا مان گئی ہیں۔" خوشی اس کے لہجے اور کپکپاتی ہوئی آواز سے مترشح تھی۔ دوسری طرف چند ثانیے کو خاموشی چھائی رہی۔

"ہیلو۔ سر! آپ سن رہے ہیں نا؟" ماہ کو اس کی خاموشی سے عجیب سا احساس ہوا تھا۔

"ہوں۔" وہ چونک گیا۔ "ہاں۔"

"ممّا نے آپ کو گھر پر بلایا ہے تاکہ......" مارے حیا کے وہ آگے کچھ نہ بول پائی۔

"ماہ! میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔" الفاظ تھے کہ بم پھٹا تھا۔ ماہ کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے۔

"جی؟"

"اپنی ممّا سے کہنا اب مجھ سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بے حد خشک اور سرد تھا۔ ماہ کو اپنے بدن سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"مگر کیوں؟"

"میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیا! مگر آپ نے تو کہا تھا......" مارے صدمے کے وہ آگے بول ہی نہ پائی۔

"اس کا جواب اپنی ممّا سے لینا۔" فون بند ہو چکا تھا۔ ماہ گم صم بیٹھی تھی۔ رمنا اندر داخل ہوئیں تو وہ سامنے دیوار پر نظریں ٹکائے بیٹھی تھی۔

"ماہ! ماہ۔" رمنا نے پکارا مگر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ رمنا کو غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ انہوں نے ماہ کو جھنجوڑ ڈالا تو اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"ماہ! کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟"

"ممّا! وہ کہتے ہیں......" وہ ٹکر ٹکر ماں کی صورت دیکھنے لگی۔ رمنا کو اس کی حالت سے خوف آنے لگا۔

"ماہ!" رمنا نے چلا کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"وہ کہتے ہیں وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔ ممّا وہ...... جھوٹ بول رہے ہیں نا؟ مجھے ستا رہے ہیں نا؟ ممّا وہ...... وہ......" بولتے بولتے وہ رمنا کی آغوش میں بے ہوش ہو گئی تھی۔

"ڈاکٹر اکرم......" رمنا گھبرا کر چلائی تھیں۔

ماہ شدید صدمے کی وجہ سے شاک میں چلی گئی تھی۔ رمنا سخت پریشان تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ

ضیغم حسن کو گولی سے اڑا دیتیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق اگلے آٹھ گھنٹے بے حد اہم تھے۔ رمنا بالکل اکیلی تھیں۔ وہ بہت سارو دعا جانتی تھیں مگر کوئی ایسا کندھا میسر نہ تھا جس پر سر رکھ کر رو دیتیں جی ہلکا کر سکتیں۔ صوفیہ اور نندنی اطلاع ملتے ہی اسپتال پہنچی تھیں۔ صوفیہ دو دن قبل ہی استنبول سے لوٹی تھی جبکہ نندنی اپنے ہی مسئلوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس کے گھر میں اس کی شادی کے سلسلے میں تنازعہ چل رہا تھا۔ نندنی کے چاچی کا کہنا تھا کہ اس کی شادی اجیت سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے آباؤ اجداد شودر ذات کے تھے جبکہ وہ خود برہمن تھے۔ اسی بات کو لے کر نندنی کے گھر میں خوب ٹینشن تھی۔ صوفیہ ترکی سے لوٹی تو سیدھا نندنی کے پاس گئی۔ وہیں سے دونوں ماما سے ملنے چلی آئی تھیں۔ گھر اپارٹمنٹ کو لاک تھا۔ پڑوس میں رہنے والی مسز بارنا نے انہیں ماما کے اسپتال میں ہونے کا بتایا۔ وجہ انہیں معلوم نہیں تھی۔ صوفیہ اور نندنی سخت پریشانی کے عالم میں اسپتال پہنچی تھیں۔ ماما ان دونوں کو عزیز تھی۔ صوفیہ جیسی بے پروا اور بے حس لڑکی ماما کے لیے پریشان ہو رہی تھی جبکہ نندنی بھی اپنی پریشانی بھلا کر ماما کے لیے فکرمند تھی۔ اسپتال میں ہی وہ ماما کی رمنا سے ملی تھیں۔

"آنٹی! آپ گھر جا کر ریسٹ کریں۔ ہم دونوں ماما کے پاس ہیں۔" صوفیہ نے رمنا کا تھکا تھکا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ مسلسل جاگنے کی وجہ سے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔

"تھینکس بیٹا۔"

"وقت اور قسمت کا بھلا کسے پتا ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی تھیں۔ "ضیغم حسن کو تو جانتی ہوں گی آپ لوگ؟" جانے کس خیال کے تحت رمنا نے پوچھا تھا۔ صوفیہ اور نندنی کو چونکہ ماما اور ضیغم حسن کے تعلق اور اس کی نوعیت کا علم تھا۔ اس لیے چونکی نہیں تھیں۔

"مجھے ضیغم حسن کا ایڈریس چاہیے۔" رمنا نے مزید کہا۔ صوفیہ اور نندنی نے کیوں کا سوال اٹھائے بغیر انہیں ضیغم حسن کے گھر کا پتا دے دیا تھا۔

"آپ لوگ ماما کے پاس رہنا پلیز! میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" رمنا کے جانے کے بعد وہ دونوں ماما کے پاس بیٹھ گئی تھیں جو ہوش و خرد سے بیگانہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھیں۔ اور ڈرپ بازو میں لگی ڈرپ قطرہ قطرہ اس کے خون میں شامل ہو رہی تھی۔

"تم انتقام کی آگ میں اندھے ہو کر اس حد تک گر جاؤ گے۔ ایسا تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ بہت برا کیا علی! تم نے بہت برا۔ تمہاری مجرم تو میں تھی پھر تم نے ماما کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ رو رہی تھی اور سامنے بیٹھے شخص کے جلتے سلگتے دل پر ٹھنڈے چھینٹے پڑ رہے تھے۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا وہ بغور اس روتی ہوئی عورت کو دیکھ رہا تھا۔

"میری بچی۔ میری کل کائنات وہ مر رہی ہے علی! اسے بچا لو۔ علی! خدا کے لیے اسے بچا لو۔ میں سب کچھ کھو چکی ہوں صرف ماما بچی ہے اب مجھ میں مزید کچھ کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔" رمنا کے التجائیہ انداز پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ضیغم حسن کے لبوں پر بکھر گئی۔

"بس اتنا سا حوصلہ تھا رمنا بی بی! خود کو ذرا سی چوٹ لگی تو تڑپ اٹھیں اور میں..... میری تو روح تک کو چھلنی کر دیا تھا تم نے۔ عزت صرف عورت ہی کی نہیں ہوتی۔ کردار کا آئینہ ایک سا ہوتا ہے چاہے وہ عورت ہو یا مرد۔ انگلیاں مرد پر بھی اٹھتی ہیں۔ تم نے میری اتنے برسوں کی بنی بنائی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ مجھے اماں جان کی نظروں سے گرا دیا۔ آج بھی جب وہ تحقیر بھری نظریں یاد کرتا ہوں تو تڑپ اٹھتا ہوں۔ ماں جان کے جوتوں کی ٹھوکریں آج بھی میرے بدن کو اسی طرح زخم زخم کر دیتی ہیں۔ پہلے لوگ مجھے ترس اور ہمدردی بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے مگر تمہاری مہربانی سے ان نظروں میں ہمدردی کی جگہ نفرت تحقیر اور بے اعتباری نے لے لی اور تم رمنا حشمت جاہ! صرف اتنی سی تکلیف پر تڑپ اٹھیں۔" برسوں کا لاوا آج پھٹ پڑا تھا۔ رمنا مجرموں کی طرح سر جھکائے آنسو بہا رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری مجرم ہوں مگر اس کی سزا تم میری معصوم بیٹی کو کیوں دے رہے ہو۔"

"کیونکہ وہ تمہاری بیٹی ہے۔"

"اتنے ظالم مت بنو علی! تم جانتے ہو وہ تمہارے عشق میں بری طرح پاگل ہے۔ میرے انکار پر وہ خودکشی کی کوشش بھی کر چکی ہے اور اس وقت تمہارا انکار سننے کے بعد وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔ میں تم سے اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں۔"

"مجھے ظالم کہتی ہو۔ تم نے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔ جاؤ رمنا بیگم! مجھے تمہاری بیٹی سے شادی نہیں کرنی۔ یہی تمہاری سزا ہے کہ تم ساری زندگی اپنی بیٹی کو تڑپتا ہوا دیکھتی رہو۔ کم عمری میں لگے گھاؤ بہت گہرے ہوتے ہیں۔ عمر کی نقدی گھٹنے کے ساتھ مزید بڑھتے ہیں۔"

"تمہارا دل پتھر کا ہو چکا ہے علی۔" رمنا نے اپنے آنسو پونچھے۔ "مجھے دھوکے باز کہتے ہو مگر ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو کہ تم خود کیا ہو اگر میں نے تمہیں دھوکا دیا تو تم نے بھی تو ایک معصوم لڑکی کے ساتھ کھیل کھیلا۔ اس کے جذبات' اس کے ارمانوں کا گلا گھونٹ ڈالا۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ گرے ہوئے انسان ہو۔ ایک کمزور لڑکی کے جذبات سے کھیل کر خود کو فاتح سمجھ رہے ہو۔ ایک معصوم لڑکی کی آہ لگے گی تمہیں۔" رمنا یہ کہہ کر رکی نہیں تھیں۔ زعیم حسن تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گر سا گیا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا ماہا۔" اس نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی پشت پر ٹکا دیا تھا۔

❁❁❁

"رمنا جاہ! یہ مت بھولنا کہ ہر عمل کا مکافات عمل بھی ہوتا ہے۔" میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں سے نکل آیا تھا۔ تب میں نے علی حسن کا وجود ختم کر کے زعیم حسن بننے کا فیصلہ کیا۔ میرا صرف ایک ہی دوست تھا حسیب رضا میرے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔ اس کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ اس کٹھن وقت میں اس نے مجھے سہارا دیا۔ میں ان دنوں بے حد چڑچڑا ہو گیا تھا۔ دنیا سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا۔ ذہنی انتشار کی حالت میں' میں نے نے اپنی پہلی پینٹنگ بنائی جو حسیب کو بے حد پسند آئی۔ اسی کی کوششوں سے میں نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ حسیب کے علاوہ اس کے گھر میں اس کی والدہ اور بڑا بھائی رہتے تھے۔ حسیب کی والدہ نے مجھے کبھی حسیب سے الگ نہیں سمجھا تھا۔ وہ میرا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ تب مجھے پتا چلا کہ ماں کیا ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ کر میرے دل میں شدت سے ایک کمی کا احساس جاگتا تھا۔ حسیب کے ماموں لندن میں رہتے تھے۔ انہوں نے حسیب کو اپنے پاس بلوا لیا۔ حسیب چلا گیا۔ دو سال میں میں بھی اپنا ماسٹرز مکمل کر چکا تھا۔ حسیب کو گئے ہوئے تین برس ہو گئے تھے۔ وہ وہاں ایک بہت بڑی کمپنی میں جاب کرنے لگا تھا۔ تب وہ حادثہ ہو گیا جس پر حسیب کو واپس آنا پڑا۔ ایک حادثے میں حسیب کے بڑے بھائی صہیب کی دونوں ٹانگیں ضائع ہو گئیں۔ حسیب کی والدہ صدمے سے نڈھال تھیں۔ میں نے انہیں سنبھالا ہوا تھا۔ حسیب کا اپنا بھی برا حال تھا۔ میں ان دنوں مختلف قسم کے کمپیوٹر کورسز کرنے کے علاوہ مقامی کالج میں لیکچرار کے فرائض بھی انجام دے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ حالات معمول پر آ گئے۔ صہیب بھائی جو معذوری کی وجہ سے چڑچڑے ہو گئے تھے۔ میرے اکسانے پر انہوں نے ایک سپر اسٹور کھول لیا۔ ظاہر ہے ان کی جاب ختم ہو چکی تھی۔ گھر بہت بڑا تھا اور مین روڈ پر واقع تھا۔ بیٹھک کو ایک سپر اسٹور میں بدل دیا گیا۔ حسیب نے لندن میں میرے لیے بطور کمپیوٹر لیکچرار کی جاب تلاش کر لی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ میں بھی وہاں آ جاؤں۔

میں نہیں جانا چاہتا تھا مگر حسیب کے اصرار اور ماں جی کے کہنے پر میں مان گیا۔ لندن میں میں نے مزید کچھ کورسز کیے۔ ساتھ ہی میں نے پینٹنگ کا شغل بھی جاری رکھا۔ حسیب کی شادی ہو گئی تھی۔ اس کی بیوی اس کی کزن تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی فیملی کو لندن بلا لے مگر ماں جی

راضی نہ ہوتی تھیں۔ حسیب مجھ پر بھی اکثر شادی کے لیے دباؤ ڈالتا تھا مگر میں جیسے اندر سے مر چکا تھا۔ مجھے عورت کے نام سے بھی نفرت ہو چکی تھی۔ کئی لڑکیوں نے میرے قریب آنے کی کوشش کی اور کئی ایک تو میری خاطر اسلام قبول کرنے کو بھی تیار تھیں مگر میرا دل نہیں مانتا تھا۔ میں ان لڑکیوں سے دور ہی رہا کرتا تھا۔

اور تب اٹھارہ برس بعد میں نے اسے (ہیتھرو ائرپورٹ) پر دیکھا تھا۔ وہی ناک نقشہ' ویسا ہی رنگ اور ویسی ہی گہری نیلی جھیل سی آنکھیں۔ فرق صرف ایک تھا کہ یہ چہرہ بہت معصوم اور گھبرایا گھبرایا سا تھا۔ وہ حسیب سے بات کر رہی تھی۔ اس لڑکی کو دیکھ کر خود بخود میری آنکھوں میں وحشت سی اتر آئی۔ مجھے لگا کہ وہ لڑکی مجھے دیکھ کر کچھ خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ میری اس سے دوسری ملاقات بھی اتفاقیہ تھی۔ وہ مجھ سے ٹکرائی تھی اور اس کے ہاتھ میں موجود آئس کریم میرے کپڑے داغدار کر گئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی نیلی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئی تھیں۔ میں کچھ کہے بنا وہاں سے چلا گیا۔ میری اس سے تیسری ملاقات بڑے عجیب سے حالات میں ہوئی تھی۔ حسیب کے ساتھ رات گئے تک رہنے کے بعد میں اپنے گھر واپس آ رہا تھا۔ جب مجھے ایک لڑکی کے چلانے کی آواز آئی۔ وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی اور تین لڑکے اسے زدوکوب کر رہے تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ تین ہی ٹائپ لڑکے تھے جو میرے ہاتھوں ذرا سی دھنائی کے بعد بھاگ گئے تھے اور تب میری نظر اس لڑکی پر پڑی تو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی تھی۔ میں اسے اپنے گھر لے آیا تھا کیونکہ اس کے چچا کا گھر جہاں وہ رہتی تھی۔ وہ لاکڈ تھا۔ اس کی شکل جانی پہچانی تھی مگر نام شک میں ڈال رہا تھا۔ وہ ماہا درانی تھی۔ اگر وہ رمنا کی بیٹی ہوتی تو اس کا سرنیم "جاہ" ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ رمنا کی شادی ہارون جاہ سے ہوئی تھی۔ جب مجھے یہ پتا چلا کہ ماہا اسی کالج میں پڑھتی ہے جہاں میں پڑھاتا ہوں تو جانے کیوں مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کالج ریکارڈ میں سے ماہا درانی کا ریکارڈ چیک کیا۔ تب میرا شک یقین میں بدل گیا۔ رمنا اس کی ماں تھی۔ بطور گارجین رمنا درانی کی تصویر اور دستخط بھی موجود تھے۔ برسوں پرانی نفرت دل میں پھر سے جاگ اٹھی تھی۔ ماہا مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ یہ میں جان چکا تھا۔ پہلے پہل مجھے سخت غصہ آیا کیونکہ وہ مجھ سے تقریباً انیس بیس برس چھوٹی تھی۔ جب اس نے خود سے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک خیال سے میں چونک اٹھا۔ رمنا جاہ کا بدلہ لینے کا اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ میں نے ماہا کی حوصلہ افزائی کی۔ اسے اپنے پیار میں جکڑ لیا۔ سب کچھ میری مرضی و منشا کے مطابق ہو رہا تھا۔ مجھے ماہا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو صرف رمنا سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ میں اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ بری طرح رو رہی تھی۔ مجھ سے اپنی بیٹی کی خوشیوں کی بھیک مانگ رہی تھی۔ صرف ماہا کی خاطر وہ میرے قدموں میں گر پڑی تھی۔ ماہا اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ میں ماہا کی پہلی اور آخری چاہت تھا۔ وہ صرف مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر میں نے کیا کیا؟

"جاؤ رمنا بی بی! چلی جاؤ یہاں سے۔ نہیں کرنی مجھے تمہاری بیٹی سے شادی۔ ویسے بھی کیا ہو گا تمہارا جب تمہاری بیٹی کو پتا چلے گا کہ وہ جس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ برسوں پہلے اس کی ماں اسی شخص کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل چکی ہے۔ جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔" میرا انتقام پورا ہو چکا تھا۔ وہ روتی ہوئی چلی گئی مگر جانے کیوں میرا دل ٹھیک طرح سے خوش نہیں ہو پایا تھا۔

"آپ نے میرا ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ پاکستان واپس جا رہی تھی۔ جانے سے چند گھنٹے قبل وہ میرے پاس آئی تھی۔ پورے دو ہفتوں بعد اسے دیکھا تھا۔ وہ بے حد کمزور ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ اس صورتحال کے لیے میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔ میرا خیال تھا وہ کبھی بھی میرے پاس جواب طلبی کے لیے نہیں آئے گی۔

"زعیم حسن! بہت برے ہیں آپ بہت برے۔ کیا ملا آپ کو میرے ارمانوں کا خون کر کے۔ میرے جذبات سے کھیل کر کیا پالیا آپ نے؟ میں نے تو خلوص دل سے آپ کو چاہا تھا۔ آپ کے ساتھ کی تمنا کی تھی مگر آپ نے میرے ساتھ محض کھیل کھیلا۔ آپ تو میری نظروں میں گر ہی چکے ہیں مگر میں خود بھی اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔" اور وہ بنا جواب طلب کیے واپس مڑ گئی تھی۔ میں اپنی جگہ ساکت سا بیٹھا تھا۔ حسیب پاکستان سے واپس آ گیا تھا۔ میں اس سے کچھ چھپا نہیں سکتا تھا۔ یہ سب سن کر وہ حیرت اور خفگی کے ملے جلے تاثرات لیے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"زعیم حسن! تم تو رمنا حشمت جاہ سے بھی زیادہ گرے ہوئے نکلے۔ ایک معصوم لڑکی کے ساتھ اتنا خوفناک کھیل کھیلتے ہوئے تمہیں ذرا رحم نہ آیا۔ کاش مجھے پتا ہوتا کہ در پردہ تم اس لڑکی کے ساتھ اتنا گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہو تو کبھی بھی اس کو تمہارے قریب پھٹکنے بھی نہ دیتا۔ اپنے انتقام میں اتنے اندھے ہو گئے تھے کہ تمہیں احساس بھی نہ ہوا کہ اس لڑکی کا کیا ہوگا۔ بہت برا کیا تم نے زعیم حسن۔" حسیب شاید پہلی بار اتنے غصے میں بول رہا تھا۔

"اور جو میرے ساتھ ہوا؟" میں نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرنا چاہا۔

"تو اس کا بدلہ تم نے ایک بے قصور لڑکی سے لیا۔"

"میں نے اس کی ماں سے بدلہ لیا ہے۔"

"بہت برا کیا تم نے زعیم! تم جیسا ڈیسنٹ اور سوبر شخص ایسا کرے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" حسیب تاسف سے سر ہلا رہا تھا۔ "ماہا اچھی لڑکی تھی۔ تم چاہتے تو اس سے شادی....."

"اگر میں چاہتا تو۔" زعیم نے اس کی بات کاٹی۔

"ساری بات تو اسی چاہنے نا چاہنے کی ہے۔"

"تم جتنا مرضی انکار کرو۔ حقیقت یہی ہے کہ کہیں نہ کہیں تم بھی اس لڑکی سے متاثر ہو چکے ہو۔" حسیب ناراضی سے کہتا اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے سر جھٹک دیا۔

❁❁❁

آج پورے بیس برس بعد میں نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ آج سے بیس برس پہلے میں جب یہاں سے گیا تھا۔ تب میں نے عہد کیا تھا کہ دوبارہ کبھی یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ مگر آج بیس برس بعد میں اپنا عہد توڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وجہ میرے عزیز از جان دوست حسیب رضا پر ٹوٹنے والی قیامت تھی۔ آٹھ اکتوبر کو پاکستان میں آنے والے ہولناک زلزلے نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ حسیب کا گھر تو لاہور میں تھا مگر اس کی فیملی ان دنوں مظفر آباد میں تھی جب یہ قیامت خیز زلزلہ آیا۔ مظفر آباد میں حسیب کی سسرال تھی۔ ماں جی' بھابی اور بچے سب وہیں گئے ہوئے تھے کیونکہ بھابی کی چھوٹی بہن کی شادی تھی۔ حسیب بھائی کا چند سال پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس خوفناک زلزلے میں حسیب کا پورا گھرانہ تباہ ہو گیا تھا۔ ماں' بیوی' بیٹا سب موت کے منہ میں چلے گئے تھے۔ صرف چار سالہ منیب بچا تھا' جو خوف کے مارے سہما ہوا تھا۔

"میں لٹ گیا زعیم! میں برباد ہو گیا' کچھ باقی نہیں بچا یار۔" وہ چالیس سالہ مضبوط مرد میرے گلے لگ کر بلک بلک کر رو دیا۔ میں جو خود پر ضبط کیے کھڑا تھا۔ بے اختیار سسک اٹھا۔ حسیب کا غم مجھ سے جدا نہ تھا۔ حسیب کو بمشکل سنبھالا۔ وہ بھی منیب کو آغوش میں لیے کچھ دیر کو بہل گیا تھا۔ ملک بھر سے رضا کار وہاں جوق در جوق جمع ہو رہے تھے۔ تب میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک ہو سکے گا میں رضا کارانہ طور پر یہاں رہوں گا۔ حسیب نے بھی میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ مجھے اس کے حوصلے پر حیرت ہوئی تھی۔ منیب کو اس نے لاہور میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں بھجوا دیا تھا۔ زندہ بچ جانے والوں کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد معذور ہو چکی تھی۔ ایک اسکول کے ملبے تلے دبے بچوں کی لاشیں نکالتے ہوئے میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔ تین دن بعد ملبے تلے دبی ایک لڑکی کو معجزانہ طور پر

زندہ بچالیا گیا تھا۔ اسے فوری طور پر میڈیکل کیمپ میں لے جایا گیا۔ میں وہاں ایک بچے کو لے کر گیا تو اس لڑکی پر نظر پڑی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ چہرہ میں لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ وہ آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ درد کی شدت اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ اس کا دایاں بازو بری طرح زخمی تھا۔ ماتھے پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔ اس کا گہرا نیلا لباس خون اور مٹی سے اٹا تھا۔ بائیں آستین پھٹ چکی تھی۔ دوپٹہ ندارد مگر وہ شاید نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے بے ربط سے الفاظ نکلے تھے۔

"ڈاکٹر یہ..... اب کیسی ہیں؟" زعیم نے اس ڈاکٹر سے دریافت کیا جو اس کے ماتھے پر بینڈیج کر رہا تھا۔

"یہ معجزہ ہی ہے کہ تین دن ملبے تلے دبے رہنے کے باوجود بھی زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔ ویسے آپ ان کے....." ڈاکٹر نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"رشتہ دار..... رشتہ دار ہیں یہ میری۔"

"پلیز آپ انہیں سنبھالیے اور کچھ کھلانے کی کوشش کیجیے۔" پورے تین برس بعد اسے دیکھا تھا۔ وہ بالکل ویسی ہی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد مکمل ہوش میں آ گئی تھی۔ غائب دماغی کے عالم میں اردگرد دیکھ رہی تھی۔ اس کے زخموں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں جس پر وہ خاصی بے چین معلوم ہو رہی تھی۔

"مما! مما! میری مما۔" اچانک وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تھی۔ زعیم اس کے سرہانے بیٹھا تھا۔ وہ ادھر ادھر سر پٹخ رہی تھی۔

"ماہا!" زعیم نے پکارا مگر وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"میری مما کو بلاؤ۔ وہ..... وہ بھی وہاں....." آنسوؤں میں جملہ مکمل نہ کر پائی۔ زعیم نے اس کا سر سینے سے لگا کر تھپکا۔ تسلی آمیز لمس پا کر وہ نئے سرے سے بکھر گئی۔ اس کے آنسو زعیم حسن کی شرٹ کو بھگو رہے تھے۔

تبھی حسیب اندر داخل ہوا۔

"ماہا! ہوش کرو ماہا! کچھ نہیں ہوا آپ کی مما کو۔" زعیم تسلی دے رہا تھا۔ حسیب لپک کر اس کے پاس آیا۔

"زعیم یہ..... ماہا....." حسیب کے دریافت کرنے پر زعیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حسیب کے چہرے پر تاسف بھرے تاثرات ابھر آئے۔ ماہا مسلسل رو رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ غافل ہو گئی تھی۔

"بہت زیادہ زخمی ہے کیا؟" وہ دونوں اس کے سونے کے بعد باہر چلے آئے تھے۔ حسیب نے زعیم سے دریافت کیا جو شاید کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کے چہرے پر تفکر پھیلا تھا۔

"بیرونی چوٹیں تو زیادہ نہیں ہیں۔ اندرونی چوٹوں کا ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"مجھے لگتا ہے ماہا کی فیملی بھی اس حادثے کا شکار ہو گئی ہے۔" حسیب کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ شاید اسے اپنے گھر کی بربادی یاد آ گئی تھی۔ زعیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ جس سوال کا جواب وہ گذشتہ تین برسوں سے تلاش کر رہا تھا۔ آج ایک پل میں وہ جواب پا لیا تھا۔ صرف ایک لمحہ..... اور وہ جان گیا کہ ماہا اس کے لیے کیا تھی۔ ماہا کی تکلیف پر وہ جس طرح تڑپ اٹھا تھا۔ یہ کیفیت از خود اس کے سوال کا جواب تھی۔

"زعیم حسن! مان لو کہ وہ لڑکی کہیں نہ کہیں تمہیں بھی متاثر کر چکی ہے۔" تین برس تک اس جملے کی گونج اسے پریشان کرتی رہی تھی۔ ان تین برسوں میں وہ ایک پل کو بھی ماہا کی یاد سے غافل نہیں رہ سکا تھا۔

"تف ہے تم پر زعیم حسن!" وہ سر جھٹک کر خود کو سرزنش کرتا مگر دل اب اس کے اختیار سے باہر تھا وہ رات اس نے جاگ کر گزاری تھی۔ اگرچہ امدادی کاموں میں وہ حصہ لے رہا تھا مگر ماہا کی طرف سے ایک لمحے کو بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ حسیب فی الحال خاموشی سے اس کی بے چین کیفیت کو نوٹ کر رہا تھا۔ ماہا دوا کے زیر اثر سو رہی تھی۔ زعیم غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ تبھی اسے اپنے کندھے پر دباؤ محسوس ہوا۔ پلٹ کر دیکھا تو حسیب کو موجود پایا۔

"کچھ دیر آرام کرلو۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تیماردار بیمار پڑ جائے تو بیمار کا کیا بنے گا؟" لہجے میں شگفتگی پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی گئی۔

"تمہیں بھی تو آرام کی ضرورت ہے۔" زعیم نے فکرمندی سے حسیب کو دیکھا۔ جو چند دنوں میں ہی کملا کر رہ گیا تھا۔ اس کا دکھ تو واقعی بہت بڑا تھا مگر پھر بھی کتنے حوصلے سے دوسرے دکھی لوگوں کی مدد کر رہا تھا۔

"اب قسمت میں آرام کہاں؟" لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

"تسلی یا تشفی کا لفظ اس غم کے آگے بہت چھوٹا ہے جو تم نے اور تم جیسے ہزاروں لوگوں نے اٹھایا ہے۔ قیامت شاید ایسی ہی ہوگی مگر یہ زندگی..... جینا پڑتا ہے یار۔ اس بچے کو دیکھو جو اپنا پورا خاندان کھو چکا ہے۔ اس کے بدن پر مہنگا لباس ہے۔ جو پھٹ چکا ہے۔ باقیات ظاہر کرتی ہیں کہ کسی امیر گھرانے کا چشم و چراغ ہے مگر اب یتیم و لاوارث ہے۔ کتنے سکون سے سو رہا ہے حالانکہ کچھ دیر پہلے تک وہ رو رو کر اپنی ماں کو پکار رہا تھا اور وہ دیکھو وہ بوڑھا شخص جو سارا دن اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں نکالتا رہا اور اب اس وقت خون سے سنے ہاتھوں سے چاول کھا رہا ہے کیونکہ پیٹ ایندھن مانگتا ہے۔ جینے کی خاطر کھانا پڑتا ہے۔ زندگی بہت بے رحم ہے یار۔" بولتے بولتے اس نے آنکھیں موند کر سر جھکا لیا تھا۔

"پتا نہیں یہ آزمائش ہے یا عذابِ الٰہی کا نزول ہوا ہے۔"

"یہ ہم پر رب کی طرف سے آزمائش ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی دعا کا اثر ہے جو ان کی امت پر دیگر انبیاء کرام کی قوموں کی طرح عذاب نازل نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے ورنہ ہمارے گناہ تو کسی طور پر ان قوموں سے کم نہیں ہیں۔ اس لیے اسے عذابِ الٰہی مت بولو۔ یہ تو اس معبودِ حقیقی کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہے۔ ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے ایک طرح سے وارننگ ہے کہ ابھی بھی وقت ہے۔ آخرت کو سنوارنے کا انتظام کرلیں۔ تم کیا سمجھتے ہو یہ لوگ جو لقمہ اجل بن گئے ہیں یہ ہم سے زیادہ گناہ گار تھے جو مر گئے یا ہم ان سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہیں جو محفوظ رہے۔ ارے ہم تو خوش قسمت ہیں کہ ہمیں ایک موقع اور دیا گیا ہے۔ سنبھلنے کا' اپنی عاقبت سنوارنے کا۔" زعیم کے الفاظ حسیب کے دل پر اثر کر رہے تھے۔ صبح کے قریب ماہا کو ہوش آگیا تھا۔

"مما۔" اسے یاد آیا کہ وہ مما کے ساتھ ان کی فرینڈ ثوبیہ کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے مظفر آباد آئی تھی۔ مہندی سے دو دن پہلے یہ سانحہ پیش آگیا۔ جس نے ہنستے بستے گھروں کو ویران کر دیا۔ پورا شہر گویا صفحہ ہستی سے مٹ گیا تھا۔ مما کا خیال آتے ہی وہ پریشان ہو گئی۔ پتا نہیں مما کہاں ہوں گی؟

"ہیلو لٹل گرل! ہاؤ آر یو؟" مانوس آواز اور لہجہ ماہا نے سر اٹھا کر دیکھا تو حسیب رضا کو موجود پایا۔ لبوں پر دھیما سا تبسم سجائے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"سر! آ..... آپ؟"

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔ "آپ یہاں..... میرا مطلب ہے....."

"ذہن پر زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ اس کی بات قطع کرتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔ ماہا نے اس کی مسکراہٹ کے پھیکے پن کو شدت سے محسوس کیا۔

"مما کیسی ہیں؟ وہ میرے ساتھ ہی تھیں۔ کہاں ہیں وہ؟ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔"

"ماہا! وہ..... تلاش جاری ہے۔ ابھی آپ کی مما کا پتا نہیں چل سکا۔" حسیب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کس طرح مطمئن کرے۔ ماہا جہاں تھی وہاں تھم کر رہ گئی۔ اس دنیا میں صرف ماں ہی اس کا واحد سہارا تھیں اور وہ انہیں کھونے کے خیال سے ہی لرز گئی۔ وہ ہر وقت مما کی سرد مہری کا رونا روتی رہتی تھی مگر ان تین سالوں میں مما

نے اسے اتنا پیار دیا تھا کہ وہ ان کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ سارا دن وہ بے چین سی رہی تھی۔ جب بھی حسیب سے مما کے متعلق پوچھتی تو وہ نظریں چرا جاتا۔ جس پر اس کا دل ڈوب جاتا۔

شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ ایک اور دن اپنے دامن میں سسکیاں اور آہیں لیے ختم ہوگیا تھا۔ زعیم حسن دانستہ اس کے سامنے نہیں آیا تھا شاید اس میں ماہا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ڈھلتی شام کے گہرے ہوتے سائے اور ماحول پر طاری مہیب سناٹا عجیب سا تاثر پیدا کررہا تھا۔ زعیم اپنے خیمے سے دور ایک بڑے پتھر پر بیٹھا تھا۔ تب اس کی نظر سامنے آتی ماہا پر پڑی۔ دایاں بازو پٹیوں میں جکڑا تھا۔ ٹانگوں پر معمولی خراشیں تھیں۔ سر پر بھی پٹی بندھی تھی۔ سردی بڑھ رہی تھی اور وہ کسی بھی شال اور سوئیٹر سے بے نیاز ادھر ادھر متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ خنک ہوائیں بدن میں کپکپی پیدا کررہی تھیں۔ اور تب زعیم حسن سے ذرا فاصلے پر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ تین سال بعد اسے دیکھا تھا۔ ماہا کو اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ تیزی سے پلٹی مگر توازن برقرار نہ رکھ پائی اور زمین بوس ہوگئی۔ زعیم لپک کر اس کی طرف گیا تھا۔ دائیں بازو کے بل وہ گری تھی اور اب تکلیف کی شدت سے دوہری ہورہی تھی۔

"ماہا۔" زعیم نے اس کو سہارا دیا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک دینا چاہتی تھی مگر ایسا نہ کرسکی۔ درد اتنا شدید تھا کہ اس سے کھڑا ہونا محال ہورہا تھا۔ زعیم اسے سہارا دیتے ہوئے اپنے اور حسیب کے مشترکہ خیمے میں لے آیا۔ بیٹھنے کے بعد ذرا سانس بحال ہوئی تو اسے زعیم حسن کی موجودگی کا احساس ہوا۔

"آر یو آل رائٹ؟" زعیم کے پوچھنے پر ماہا نے نفرت سے منہ موڑ لیا۔ زعیم حسن نے اس کے ساتھ جو کیا تھا۔ اس کے بعد ایسا ہی ردِعمل متوقع تھا۔ تبھی حسیب چلا آیا۔ ماہا کو وہاں دیکھ کر وہ ایک لمحے کو رکا پھر زعیم کی طرف دیکھا جو چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے کھڑا تھا۔ ماہا کی نظر حسیب پر پڑی۔

"سر! آپ پلیز مجھے باہر تک چھوڑ دیں گے؟" اس کا لہجہ قطعیت بھرا تھا۔ حسیب کو مانتے ہی بنی۔ زعیم چپ چاپ باہر نکل گیا۔

"ماہا! ابھی میری ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے۔ ان کے خیال میں تمہیں پراپر ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے جو صرف ہاسپٹل میں ہی ممکن ہے۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ کل ایک ہیلی کاپٹر لاہور سے امدادی سامان لے کر آرہا ہے، چند شدید زخمیوں کو اس میں لاہور بھجوایا جا رہا ہے اور تم بھی کل جارہی ہو۔"

"مگر میں....." وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

"ماہا! تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔ ہم ہیں نا یہاں۔ تمہاری مما کا سراغ ملتے ہی تمہیں مطلع کریں گے۔"

"میں ٹھیک ہوں یہاں اور بھی تو لوگ ہیں۔"

"ضد مت کرو ماہا۔" حسیب کے قطعی لہجے پر وہ خاموش ہوگئی تھی۔

"مما! مما! آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتیں۔" وہ مسلسل چار گھنٹوں سے رورہی تھی۔ اب تو آنسو بھی خشک ہوچکے تھے۔ وقفے وقفے سے سسکیاں لیتی وہ بالکل نڈھال لگ رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر زعیم اور حسیب دونوں کے دل دکھ سے بھر گئے۔ رمنا کی ڈیڈ باڈی مل گئی تھی جو بڑی مشکل سے شناخت کی گئی تھی۔ ماہا تو دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئی تھی۔ دو گھنٹوں بعد ہوش میں آئی اور اس کے بعد سے مسلسل رورہی تھی۔

"ماہا۔" اس نے روتے روتے سر اٹھا کر دیکھا۔ زعیم حسن کھڑا تھا۔ "چلو ہیلی کاپٹر روانگی کے لیے تیار ہے۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ سمجھے آپ۔" وہ چیخ کر بولی۔

"ماہا ضد مت کرو۔ چلو آؤ۔"

"مجھے کوئی علاج ولاج نہیں کروانا۔ آپ مجھے میرے

حال پر چھوڑ دیں۔"

"کیسے چھوڑ دوں تمہیں تمہارے حال پر۔ نہیں چھوڑ سکتا۔" زعیم کا نرم لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

"ویسے ہی جیسے پہلے چھوڑ دیا تھا۔" وہ چلائی۔ "میں یہاں رہوں یا وہاں۔ یہ آپ کا ہیڈک نہیں ہے۔" لہجہ کسی بھی مروت سے عاری تھا۔

"میں اور حسیب بھی آج واپس جا رہے ہیں اور تم بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہو۔ مزید انکار میں نہیں سنوں گا۔" قطعیت سے کہتا وہ پلٹ گیا۔ حسیب اسے لینے آیا تو وہ چپ چاپ اٹھ کھڑی ہوئی اور شام تک وہ لاہور میں حسیب کے گھر پر تھے۔ اور یہاں آ کر ماہا کو پتا چلا کہ اس سانحے میں حسیب بھی اپنا سب کچھ کھو چکا تھا۔ وہ اس شخص کے حوصلے کی داد دیے بنا نہ رہ سکی۔ چند دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد وہ صحت یاب ہو چکی تھی۔ جب تک ہاسپٹل میں رہی۔ حسیب متواتر اس کے پاس آتا رہا۔ البتہ زعیم کو اس نے صرف ایک بار دیکھا تھا۔ اب مسئلہ ماہا کی رہائش کا تھا۔ ایک ماموں ایک چچا دونوں ملک سے باہر۔ پھوپھیاں اور خالائیں اپنے اپنے گھروں والی تھیں۔ کوئی کہاں کوئی کہاں۔ ماہا تو کبھی ان کے گھر نہیں گئی تھی۔ لے دے کے صرف اویس چاچو تھے مگر وہ لندن میں تھے۔ حسیب نے انہیں اطلاع کی تو وہاں سے خاصا سرد رسپانس ملا۔ بقول ان کے ماہا ان کی سگی بھتیجی نہیں ہے۔ صرف رمنا بھابی کی بات مروت میں نہ ٹال سکے تھے وہ۔ اب جبکہ وہ نہیں رہی تھیں تو وہ ماہا کی ذمہ داری اٹھانے سے گریزاں تھے۔ حسیب کو شدید غصہ آیا۔ ماہا کو اویس چاچو سے اتنے کٹھور پن کی امید نہیں تھی۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں ہوں نا۔ بس آج سے میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماہا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ماہا کا دل بھر آیا۔

"تھینک یو سر! مگر....."

"اوں ہوں یہ سر ور چھوڑو۔ بھائی کہا کرو مجھے۔" حسیب نے ٹوک دیا۔ زعیم چپ چاپ بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

"میں کوئی جاب کر لوں گی۔ یہاں میرا گھر ہے میں وہاں رہ لوں گی۔"

"اکیلی؟"

"شاید مقدر میں یہی لکھا ہے۔"

"بھائی کے ہوتے ہوئے بہن تنہا رہے۔ مجھے گوارہ نہیں۔ تم بس یہیں رہو گی۔ میرے پاس۔"

حسیب کے مان بھرے انداز پر وہ انکار نہ کر پائی۔ حسیب کا ارادہ پاکستان میں رہ کر اپنا کوئی کاروبار سیٹ کرنے کا تھا۔ زعیم ایک ماہ کی چھٹی لے کر آیا تھا اور ابھی اس کی چھٹی میں دس بارہ دن باقی تھے۔ ماہا چار سالہ منیب کے ساتھ بہل گئی تھی۔ حسیب کی رشتے کی بوا جو بیوہ تھیں اور تنہا رہتی تھیں انہیں وہ ساتھ لے آیا تھا۔ وہ بے اولاد تھیں۔ بے حد مشفق خاتون تھیں۔ حسیب، زعیم، ماہا سب سے بلاتفریق پیار کرتی تھیں۔ ماہا زعیم سے بات نہیں کرتی تھی۔ اسے مکمل نظر انداز کر رہی تھی وہ۔ اس کا یہ طرزِ عمل زعیم کے اندر احساس جرم جگانے لگتا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر ماہا موقع ہی نہیں دیتی تھی۔ انگلینڈ واپسی سے دو روز قبل اسے یہ موقع مل گیا۔ حسیب منیب کو گھمانے لے گیا تھا۔ بوا جی سو رہی تھیں۔ ماہا لان میں بیٹھی تھی جب وہ وہاں چلا آیا۔ زعیم کو دیکھ کر ماہا اٹھ کر جانے لگی۔

"رکو ماہا! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"مگر مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔" وہ آگے بڑھنے لگی تو زعیم نے اس کا بازو دبوچ لیا۔ لڑکھڑا کر وہ اس کے سینے سے آ لگی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" اپنا بازو چھڑاتے ہوئے چلائی۔

"تم بہت بدل گئی ہو۔" زعیم نے بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر زعیم حسن! مجھے اتنی بے تکلفی پسند نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو....."

"ناراض؟" زعیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "خفا ان

سے ہوا جاتا ہے جن سے کوئی رشتہ ہوتا ہے۔ اور میرا آپ سے ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"میں مانتا ہوں میں نے بہت غلط کیا مگر تم شاید کبھی سمجھ نہیں پاؤ گی کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔" وہ تاسف سے سر ہلانے لگا۔

"زعیم حسن صاحب! آپ میں اور رمنا حشمت جاہ میں کیا فرق رہ گیا۔ میری ماں سے انتقام لیا تھا نا آپ نے اپنی بے عزتی کا۔ اب بتائیں میری رسوائی کا بدلہ آپ سے کون لے گا۔ آپ نے میرے جذبات کے ساتھ کھیل کھیلا۔ میری محبت کا مذاق اڑایا جو میں نے صرف آپ سے کی تھی۔ آپ کی خاطر صرف آپ کی خاطر میں نے زندگی میں پہلی بار اپنی ماں سے بدتمیزی کی اور آپ نے آپ نے میرے ساتھ کیا کیا۔ محبت کا کھیل کھیل کر مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا۔ میں بھی کتنی پاگل تھی نا کہ فریب کو محبت سمجھ بیٹھی۔" اسے پتا بھی نہ چلا کہ آنسو اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ زعیم گنگ کھڑا تھا۔ ماہا حقیقت سے واقف ہوگی۔ اسے اندازہ نہ تھا۔ اسے ایک دم اپنا آپ اس کے سامنے چھوٹا لگنے لگا۔ وہ روتے ہوئے انداز میں بھاگ گئی تھی اور زعیم حسن سود و زیاں کے حساب میں الجھتا وہیں کھڑا رہ گیا۔

✿✿✿

اس روز آفس سے واپسی پر بواجی کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں ٹھٹک کر رک گئی۔ میں نے بواجی کو میرا نام لیتے سنا تھا۔

"ماہا اچھی لڑکی ہے حسیب بیٹا۔"

"افوہ۔ بواجی! آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" وہ جھنجھلا کر بولے۔

"کیا مطلب؟"

"وہ بہت چھوٹی ہے اور....."

"مردوں کی عمر نہیں دیکھی جاتی۔ تم ماشاء اللہ جوان ہی ہو۔ چالیس بیالیس کوئی زیادہ عمر تو نہیں ہے۔ نیب کو ماں کی ضرورت ہے اور تمہیں جیون ساتھی کی۔ میں دیکھتی ہوں اس بچی نے کیسے اس گھر کو سنبھال لیا ہے۔ تم اس سے شادی کرلو بیٹا۔"

"بواجی! پلیز۔ ماہا کو میں نے بہن کہا ہی نہیں دل سے مانا ہے۔ پلیز آپ ماہا کے سامنے کچھ الٹا سیدھا نہ بول دیجیے گا۔"

"بیٹا! میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ آس پڑوس کے لوگوں میں چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں کہ ایک غیر لڑکی یوں ایک نامحرم کے گھر پر کیوں رہ رہی ہے۔ میں نے سوچا رشتہ بن جائے تو لوگوں کے منہ بند ہو جائیں۔" حسیب کے سخت تیوروں پر بواجی بھی گھبرا کر صفائی پیش کرنے لگیں۔

"لوگوں کو تو فضول بکنے کی عادت ہے۔ آپ کان نہ دھرا کیجیے۔" حسیب بھائی کو باہر آتے دیکھ کر میں جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ چند دنوں بعد حسیب بھائی نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ میری شادی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ ان کا انداز ایک ذمہ دار بھائی کا سا تھا۔ جو جلد از جلد بہن کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے۔ اگر میں چند روز پہلے بواجی اور حسیب بھائی کی گفتگو سن نہ چکی ہوتی تو شاید انکار کر دیتی کہ اب میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ میں کچھ بول نہ پائی۔ فقط چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔ حسیب بھائی گھبرا گئے۔

"کیا ہوا ماہا؟ کیا تمہیں میرے فیصلے سے اختلاف ہے؟"

"نہیں تو..... بس یوں ہی مما کی یاد آ گئی تھی۔" میں نے گھبرا کر بات بنائی حالانکہ اس سمے مجھے اس شخص کا خیال آیا تھا جس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔

"اگر تم راضی نہیں ہو تو....."

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جو بہتر سمجھتے ہیں وہ کیجیے۔" میں نے انہیں سب اختیار دے دیے۔

"میں بہت خوش ہوں کہ تم واقعی مجھے اپنا سمجھتی ہو۔ میرا وعدہ ہے کہ میں اپنی بہن کے لیے بہترین جیون

ساتھی کا انتخاب کروں گا۔" میرا سر تھپکتے ہوئے مجھے جانے کا عندیہ دیا تو میں اپنے کمرے میں آ گئی۔

"آپ بہت برے ہیں زعیم حسن۔" آنسو میرا تکیہ بھگو رہے تھے۔ میں بھی کیسی پاگل ہوں کہ اس ہرجائی کے لیے آنسو بہا رہی تھی۔ جسے شاید میری پروا بھی نہ تھی۔

نفرتیں بھی اس سے، محبتیں بھی اس سے
یہ دل کے معاملے بھی ہوا کرتے ہیں عجیب
نہ ٹوٹ کر جڑیں نہ جڑ کر کبھی ٹوٹیں
یہ قربتوں کے فاصلے بھی ہوا کرتے ہیں عجیب
نہ خوشیاں کبھی پائیں، نہ چاہتیں کبھی پائیں
یہ حسرتوں کے الاؤ بھی ہوا کرتے ہیں عجیب
اسے دیکھوں تو نہ چاہوں نہ دیکھوں تو چاہوں
یہ دل کے فیصلے بھی ہوا کرتے ہیں عجیب
وہ ملے تو نہ ملے، وہ ملے تو ملنے کی جستجو کروں
یہ محبتوں کے امتحان بھی ہوا کرتے ہیں عجیب

❁❁❁

"تم مجھے صاف صاف بتاؤ۔ کیا تم ماہا سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں یہ خیال کیونکر آیا؟" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ گویا ہوا۔

"اس لیے کہ کیونکہ چاہتا ہوں اب ماہا کی شادی کر دوں۔ رشتے تو بہت ہیں میری نظر میں مگر میں نے سوچا پہلے تم سے بات کرلوں۔"

"بہت ذمہ دار ہو گئے ہو۔" وہ مسکرایا۔

"زعیم! میں بہت سنجیدہ ہوں۔"

"تم نے ماہا سے پوچھا ہے وہ کیا چاہتی ہے؟"

"وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ صرف اپنا بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں اس کے قابل نہیں ہوں یار۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اسے مجھ سے بہت بہتر اور ہم عمر جیون ساتھی مل سکتا ہے۔" زعیم کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی حسرت زدہ ہو گیا۔ "میں نے اس کے ساتھ جو کیا۔ اس کے لیے شاید وہ مجھے کبھی معاف نہ کر پائے اور شاید میں خود کو بھی کبھی معاف نہ کر پاؤں گا۔ اپنے انتقام کی آگ میں، میں اس قدر اندھا ہو گیا تھا کہ مجھے یہ احساس ہی نہ ہوا کہ میں اپنے بدلے کی خاطر ایک معصوم لڑکی کے دل سے کھیل رہا ہوں۔"

"زعیم! تم میرے دوست ہو اور میں جانتا ہوں کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ میں خود ماہا سے....."

"نہیں حسیب! تم اسے مجبور نہیں کرو گے۔ وہ بہت اکیلی ہے۔ اسے ڈھیر ساری محبتیں چاہیں۔ ایک فیملی کا پیار چاہیے۔ میں شاید اسے یہ سب نہ دے پاؤں۔"

"سوچ لو۔ میں....."

"وقت میرے ہاتھ سے ریت کی مانند پھسل چکا ہے۔ مزید میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" فون بند ہو چکا تھا۔

مجھے خود اپنی طبیعت پہ اختیار نہیں
خدا کرے تجھے عمر بھر نہ دیکھوں

اس شعر کی تفسیر بنا وہ جانے کب سے بے مقصد ہی سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ چند دنوں پہلے ہی تو حسیب سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اور آج صبح جب وہ کالج کے لیے نکل رہا تھا۔ اسے ماہا کی شادی کا کارڈ ملا تھا۔ کارڈ پر صرف شادی کی تاریخ درج تھی۔ بہت سادہ سا کارڈ تھا۔ حسیب نے خط بھی لکھا تھا جس میں اسے تاکید کی تھی کہ وہ شادی میں شرکت کے لیے ضرور آئے مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ نہیں جائے گا۔ حالانکہ حسیب نے فون بھی کیا تھا مگر وہ ہنس کر ٹال گیا تھا۔ حسیب نے بتایا تھا کہ لڑکا بہت اچھا ہے جس پر وہ کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ ماہا کی شادی کی تاریخ آ کر گزر گئی مگر وہ پاکستان نہ گیا۔ حسیب نے فون نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ناراض ہے۔ اور پھر ایک ماہ بعد اس نے پاکستان جانے کا قصد کیا۔ وہ بنا اطلاع کے لاہور پہنچا تھا۔ وہ حسیب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ دروازہ ماہا نے کھولا تھا جس پر وہ کافی دیر حیران سا کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔

"السلام علیکم!" ماہا کی آواز نے اس کی محویت کو توڑا۔

"وعلیکم السلام۔" ماہا سائیڈ پر ہو گئی تو وہ اندر داخل ہوا۔

"حسیب گھر پر نہیں ہے کیا؟" اندر کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے دریافت کیا۔

"آفس گئے ہیں۔ آپ بیٹھیے۔ میں انہیں مطلع کر دیتی ہوں۔" وہ فون کی طرف بڑھی۔

"نہیں رہنے دو۔ میں فریش ہو جاتا ہوں تب تک وہ آجائے گا۔"

"بہتر۔" وہ بہت بدلی بدلی اور سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔

"تم کیسی ہو؟"

"اچھی ہوں۔"

"اور تمہارا شوہر کیسا ہے؟" ماہا نے چونک کر دیکھا۔

"آپ فریش ہو جائیں۔ میں آپ کے لیے کافی بنواتی ہوں۔" وہ بنا جواب دیے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

زعیم اس کے عجیب و غریب رویے پر الجھتا اوپر چلا گیا۔

حسیب آفس سے آیا تو اسے دیکھ کر خوشی اور ناراضگی اظہار کیا۔ وہ محض پھیکی سی ہنسی ہنس رہا تھا۔

"ماہا اپنے گھر میں خوش تو ہے نا؟" وہ زیادہ دیر تک خود کو نہیں روک پایا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" وہ الٹا زعیم سے پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں میں نے غور نہیں کیا۔"

"کب تک جھوٹ بولتے رہو گے زعیم حسن۔"

"کیا مطلب؟"

"اس سے محبت کرتے ہو تو اپنایا کیوں نہیں؟"

"کوئی اور بات کرو یار۔" وہ سگریٹ سلگانے لگا۔

"ماہا کی شادی نہیں ہوئی۔"

"واٹ؟" وہ تحیر سے حسیب کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ سب ڈرامہ تھا۔ میں نے اپنی طرف سے ایک کوشش کی تھی تمہارے پتھر دل کو پگھلانے کی مگر....." وہ گویا تاسف سے سر ہلا رہا تھا۔

"کیوں بیکار میں وقت ضائع کر رہے ہو؟"

"تم دونوں نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ وہ ہے تو شادی کا نام سنتے ہی رونا شروع کر دیتی ہے اور تم مسلسل خود سے جھوٹ پر جھوٹ بولے چلے جا رہے ہو۔ آخر چاہتے کیا ہو تم لوگ۔ بس بہت ہو گیا۔ اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گا۔ انڈر اسٹینڈ۔" حسیب کو غصہ آ گیا تو زعیم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے بھلا؟" وہ برا مان گیا۔

"اچھا لگ رہا ہے۔ بھائی اور دوست کے روپ میں تم اچھے لگ رہے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ میں نے بھی تم لوگوں کا باپ بن کر نہ دکھایا تو نام بدل دینا۔" حسیب فیصلہ کر چکا تھا۔ مگر کیا کرنا تھا اور کیسے کرنا تھا یہ اسے ابھی سوچنا تھا۔

"یہ کیا بچپنا ہے حسیب! میں کوئی بچہ ہوں جو مجھے یوں پکڑ کر زبردستی نکاح کروا رہے ہو۔" ڈرائنگ روم میں قاضی صاحب اور حسیب کے چند دوست موجود تھے۔ زعیم بالکل بے خبر تھا۔ وہ تو حسیب اسے وہاں لے کر آیا تو اسے اصل صورتحال کا علم ہوا۔

"زعیم! تماشا مت بناؤ۔"

"تماشا تو تم میرا بنا رہے ہو۔" وہ بگڑ گیا۔

"اگر تمہیں مجھ پر ذرا سا بھی اعتبار ہے تو میری بات مان لو۔ یہی بہتر ہے۔ میں اپنے دوست کے لیے برا سوچ ہی نہیں سکتا۔" حسیب کے کہنے پر وہ خود پر ضبط کرتا صوفے پر بیٹھ گیا تو حسیب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ ہار تو گلے میں ڈال لو تاکہ پتا چلے کہ دلہا کون ہے۔" گلاب کے پھولوں کا ہار اس کے گلے میں ڈالا تو وہ محض منہ بنا کر رہ گیا۔ نکاح کے بعد زعیم کو اس کمرے تک لایا گیا۔ جہاں ماہا موجود تھی۔

"دیکھو زیادہ ہٹلر بننے کی کوشش نہ کرنا۔ وہ بے چاری یوں بھی تمہارے خونخوار تیوروں سے سہمی رہتی ہے۔"

"مجھے زیادہ ڈکٹیشن دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچہ نہیں ہوں میں۔" وہ چڑ کر بولا۔

"اب زیادہ اوور ایکٹنگ مت کرو۔ اندر سے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔"

"شٹ اپ۔" حسیب کو گھورتا وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ حسیب مسکرا کر پلٹ گیا۔ دونوں اپنی اپنی

digest Novels Lovers group

جگہ دل کی بات کہنے سے جھجک رہے تھے اس لیے حسیب نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ جا بجا پھولوں کے گلدستے رکھے تھے اور بیڈ پر گلاب کی پتیوں میں گھری سرخ اور شاکنگ پنک لباس میں وہ خود بھی گلاب کا پھول لگ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے لرزتا بدن بتا رہا تھا کہ وہ رو رہی تھی۔ زعیم چند لمحے یوں ہی کھڑا رہا پھر اس کے مقابل بیڈ پر بیٹھ گیا۔ گھونگٹ تو تھا نہیں۔ اس کا چہرہ تھوڑا سا جھکا ہوا تھا مگر سوں سوں کرتی سرخ ناک سمیت وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔

"آئی لو یو ماہا۔" اس کا ہاتھ ہاتھوں میں تھام کر وہ یہی کہہ پایا تھا۔ ماہا نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ یہ جملہ وہ تین برس پہلے زعیم حسن کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ آج سن رہی تھی۔ ماہا نے تڑپ کر اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ زعیم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جھوٹ مت بولیے زعیم حسن! مانتی ہوں کہ آپ کے لیے یہ مجبوری کا سودا ہے مگر....."

"تم سے کس نے کہا کہ یہ مجبوری کا سودا ہے۔"

"میں جانتی ہوں آپ نے حسیب بھائی کے مجبور کرنے پر....."

"تم میں کوئی کمی ہے کیا جو تم سے شادی کے لیے مجبوری کا بندھن باندھنا پڑے۔" زعیم نے اس کی بات کاٹی۔ "حسیب ٹھیک کہتا ہے کہ میں اتنے عرصے خود سے جھوٹ بولتے بولتے تھک گیا ہوں ماہا۔ میں مسلسل اس محبت کی نفی کرتا رہا جو میں تم سے کرتا ہوں مگر..... جانتی ہو ماہا! تین برس پہلے جب میں نے تم سے شادی سے انکار کیا تھا تب میرے دل کو کچھ ہوا تھا۔ یہ تو بعد میں مجھ پر کھلا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" زعیم حسن کے الفاظ ماہا کے جلتے بلکتے دل پر ٹھنڈی پھوار بن کر برس رہے تھے۔ تب وہ بے اختیار اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔

"بس۔ آج آخری بار جی بھر کر رو لو۔ آئندہ میں ان حسین آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔" اس کے گرد حصار بناتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔ آنسوؤں کا زور تھما تو ماہا کو اس قدر قربت کا احساس ہوا۔ وہ لجا کر دور ہٹی مگر گرفت مضبوط تھی۔ "سچ سچ بتاؤ کہیں حسیب نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا۔" لہجے میں شرارت تھی مگر وہ شاید سمجھ نہ پائی۔ تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں اپنی ضد پر آجاؤں تو کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"تو گویا تم نے مجھ سے شادی کی ضد کی اور تمہارے بھائی نے بہن کی ضد مان لی۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

"اپنے بارے میں اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی۔" منہ بنا کر بولتی وہ پہلے والی ماہا لگ رہی تھی۔

"اچھا اور وہ جو تم بہانے بہانے سے میرے پاس پینٹنگ سیکھنے کے لیے آیا کرتی تھیں۔"

"اف توبہ۔ اب کیا مجھے طعنے دیا کریں گے۔" مارے خفت کے گال سرخ ہو گئے۔

"ارے نہیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ بہانہ تو ہم بنایا کرتے تھے کہ اس بہانے رخِ یار کا دیدار ہو جائے۔ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تو ماہا نے اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ یوں لگا جیسے برسوں دھوپ میں جلنے کے بعد ایک دم سے ٹھنڈی چھاؤں میں آ گئی ہو۔

"اب زندگی نہیں ہم زندگی کو جئیں گے اور اس کے ایک ایک لمحے سے خوشیاں کشید کریں گے۔" وہ دھیرے دھیرے اس کے کان میں کہہ رہا تھا اور ماہا دل ہی دل میں اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ اتنا اچھا جیون ساتھی ملا تھا۔ واقعی محبت عمروں کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔

digest Novels Lovers group